نور المصابیح

فخر العلماء والمحدثین واقفِ رموزِ شریعت ودین
حضرت مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ نقشبندی
مجددی قادری محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ

19

ناشر

ابوالحسنات اسلامک ریسرچ سنٹر، تاڑبن، [illegible] روڈ، حیدرآباد، الہند

www.ziaislamic.com

zia.islamic@yahoo.co.in

20/153 باب المبعث و بدء الوحی

بعثت اور وحی کی ابتداء کا بیان[1]

491/7033 حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت چالیس سال کی عمر میں ہوئی[2]، اور آپ مکہ میں (۱۳) تیرہ سال رہے آپ پر وحی کی جاتی تھی،

---

1 قوله: المبعث. "مبعث". مصدر میمی ہے، "مبعث" کے معنی بھیجنا ہے۔ علامہ ابن ملک نے ذکر کیا ہے کہ جب کسی کو بھیجا جاتا تو بعثت کہا جاتا ہے۔ مؤلف نے یہاں لفظ مبعث ذکر کیا اور مصدری معنی کو اختیار کیا وہ اس لئے کہ اصل فعل کی کیفیت پر دلالت کے ساتھ وہ زمان ومکان پر بھی مشتمل ہوتا ہے۔ اللہ بہتر جاننے والا ہے۔

وقوله: البدء. علامہ عسقلانی نے فتح الباری میں فرمایا علامہ عیاض نے فرمایا: بدء مہموز ہے اور دال کو جزم ہے اس کے معنی ابتداء اور آغاز کے ہیں اور اس میں ہمزہ کے بجائے واؤ ہو اور واؤ کو تشدید اور دال کو پیش ہو تو یہ ظہور کے معنی میں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جو روایات ہم تک پہنچی ہیں یہ لفظ ان میں سے کسی بھی روایت میں اعراب کی وضاحت کے ساتھ نہیں ہے، البتہ بعض روایات میں "کیف کان ابتداء الوحی" آیا ہے۔ اس روایت سے پہلے معنی، یعنی ابتداء کو ترجیح حاصل ہوتی ہے اور مشائخ کرام کی زبانی بھی ہم نے یہی بات سنی ہے۔

وقوله: الوحی. لغت میں وحی کے معنی "الاعلام فی خفاء" پوشیدہ طور پر اطلاع دینا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے اصل میں اس کے معنی کسی چیز کو اچھی طرح سمجھنا اور اسی معنی میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے "واوحی ربك الی النحل" آپ کے رب نے شہد کی مکھی پر وحی بھیجی (یعنی اسکو سمجھا دیا) (النحل۔ ۶۸) اور شریعت میں وحی کی تعریف "الاعلام بالشرع" شریعت سے باخبر کرنا ہے اور کبھی وحی کا لفظ کہہ کر اسم مفعول "مُوحٰی" مراد لیا جاتا ہے، یعنی اللہ کا کلام جو کسی نبی پر نازل کیا گیا۔ (مرقات)

2 قوله: بُعِث. صیغہ ماضی مجہول ہے یعنی آپ شان رسالت کے ساتھ مخلوق کی طرف بھیجے گئے۔ "وقوله لا ربعین سنة" (چالیس سال کی عمر میں) علامہ طیبی نے فرمایا: اس میں "لام" وقت کے معنی میں ہے یعنی چالیس سال کی مدت مکمل ہونے کے وقت۔ وقوله مات وهو ابن ثلاث وستين سنة ((۶۳) سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا) یہی بات صحیح ہے،

پھر آپ کو ہجرت کا حکم ملا تو آپ ہجرت کر کے دس سال رہے اور ترسٹھ (۶۳) سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا۔ (متفق علیہ)

492/7034 ﴿ان ہی سے روایت ہے آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ مکہ میں پندرہ (۱۵) سال رہے[1] آواز سنتے تھے اور سات سال تک روشنی دیکھتے تھے اور کوئی چیز نہیں دیکھتے اور آٹھ سال آپ پر وحی

اور ایک قول پینسٹھ (۶۵) سال کا ہے جیسا کہ آگے آنے والی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں مذکور ہے اس میں ولادت مبارکہ اور وصال مبارک کے دونوں سالوں کو شمار کیا گیا ہے۔ اور ایک قول میں (۶۰) ساٹھ سال ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اس میں کسر کو حذف کر دیا گیا ہے۔ (مرقات)

[1] ﴿ **قولہ: أقام رسول الله صلی الله علیه وسلم بمکة خمس عشرة سنة.** (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں پندرہ (۱۵) سال رہے) یعنی سال ولادت مبارکہ اور سال ہجرت کو شمار کر کے (۱۵) سال۔ **وقوله یسمع الصوت** (آواز سنتے) یعنی جبریل علیہ السلام کی آواز سنتے تھے، **وقوله ویری الضوء.** (اور روشنی دیکھتے تھے) یعنی سات سال تک تاریک راتوں میں نور یعنی ایک عظیم روشنی دیکھتے تھے۔ علامہ طیبی نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کی نشانیوں میں سے سات سال تک خالص روشنی دیکھتے تھے (اور آپ نے روشنی کے سوا اور کسی چیز کو نہیں دیکھا یعنی اس کے ساتھ کسی فرشتہ کو نہیں دیکھا)۔

علماء نے فرمایا: خالص روشنی کو دیکھنا جس کے ساتھ فرشتہ نہیں تھا اس میں حکمت یہ تھی کہ آپ ابتداء میں خالص روشنی سے مانوس ہو جائیں فکر ختم ہو جائے اور یہ مشاہدہ بغیر فرشتے کے اس لئے تھا کہ ابتداءً فرشتہ کو دیکھنے میں دہشت کی وجہ سے اس میں ذہول کا اور عقل کے جانے کا اندیشہ ہو سکتا ہے کیونکہ فرشتہ کو دیکھنا بہت عظیم معاملہ ہے۔

اور علامہ ابن ملک نے بہت اچھی بات فرمائی: اس میں راز یہ تھا کہ فرشتہ کے ساتھ ملکوتی روشنی اور نور ربوبیت ہمیشہ رہتا ہے اور کبھی جدا نہیں ہوتا شروع میں اسکو دیکھنے کے وقت بعض دفعہ بشری قوت اس کی طاقت نہیں رکھتی اور ہو سکتا ہے اسکی وجہ سے غشی رونما ہو اس لئے شروع میں روشنی کے ذریعہ آپ کو مانوس کیا گیا پھر آپ کے پاس فرشتہ آنے لگا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ضوء (روشنی) سے مراد نزول وحی سے پہلے انشراح صدر ہو اور اس انشراح کو ضوء (روشنی) نام دیا گیا۔

نازل کی جاتی رہی اور آپ مدینہ میں دس (۱۰) سال رہے اور پینسٹھ (۶۵) سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا[1]۔ (مسلم)

493/7035 ﴾ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا: اللہ تعالٰی نے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پورے ساٹھ (۶۰) سال کی عمر میں وصال عطا فرمایا[2]۔ (متفق علیہ)

494/7036 ﴾ ان ہی سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا جب آپ ترسٹھ (۶۳) سال کے تھے اور حضرت ابوبکر[3] کا بھی جب کہ آپ ترسٹھ (۶۳) سال کے تھے اور حضرت عمر کا بھی جب

اور انشراح صدر کا کمال چالیس سال پورے ہونے کے بعد ہی ہوتا ہے تاکہ آپ اللہ اور اسکی مخلوق کے درمیان واسطہ بننے کے لئے تیار ہو جائیں، **وقوله وثمان سنين يوحى اليه** یعنی مکہ میں آٹھ سال آپ پر وحی کا نزول ہوتا رہا۔ (مرقات)

1 ﴾ **قوله: رواه مسلم**. صاحب مشکوۃ نے رواہ مسلم کی جگہ متفق علیہ کہا ہے، علامہ میرک نے کہا: یہ بات واقعہ کے مطابق نہیں ہے کیونکہ امام بخاری نے اس حدیث شریف کی تخریج نہیں کی بلکہ یہ حدیث شریف صرف صحیح مسلم میں ہے جیسا کہ امام حمیدی نے الجمع بین الصحیحین میں صراحت کی ہے اور ہمارے شیخ علامہ ابن حجر نے شرح صحیح بخاری میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ صاحب مشکات کو یہ وہم کتاب جامع الاصول میں علامہ ابن اثیر کے عمل سے ہوا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ان کے ظاہر کلام سے صاحب مشکوۃ کو مغالطہ ہو گیا اور انہوں نے اصل ماخذ کی طرف رجوع نہیں کیا اسی لئے ان سے یہ بات سرزد ہوئی۔ (واللہ اعلم)۔ (مرقات)

2 ﴾ **قوله: على راس ستين سنة**. (پورے ساٹھ (۶۰) سال کی عمر میں) علامہ طیبی نے فرمایا علی راس ستین سنۃ کے مجازی معنی "آخرہ" ہے یعنی ساٹھ سال کے ختم پر جیسا کہ عرب مجازی طور پر "راس آیۃ" کہتے ہیں یعنی آیت کا آخری حصہ، کسی چیز کے آخر کو "راس" کہتے ہیں کیونکہ وہ اس جیسی دوسری آیت یا دوسری دہائی کا آغاز ہوتا ہے۔ (مرقات)

3 ﴾ **قوله: وابوبكر وهو ابن ثلاث وستين سنة**. (اور حضرت ابوبکر کا بھی جب کہ آپ ترسٹھ (۶۳) سال کے تھے) جب کہ آپ کی خلافت دو سال چار مہینے تھے۔ **وقوله وعمر وهو ابن ثلاث وستين**. صاحب مشکوۃ نے فرمایا کہ

کہ آپ ترسٹھ (۶۳) سال کے تھے۔ (مسلم) امام محمد بن اسماعیل بخاری نے فرمایا: ترسٹھ سال کی روایات زیادہ ہیں۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ کے غلام ابولولو نے بروز چہار شنبہ جب ذوالحجہ کے ختم کو چار دن باقی تھے ۲۳ھ ہجری مدینہ منورہ میں آپ کو شہید کردیا اور اتوار کے دن دس (۱۰) محرم چوبیس ۲۴ھ ہجری کو تدفین عمل میں آئی، آپ کی عمر بھی ترسٹھ (۶۳) سال تھی آپ کی عمر کے بارے میں یہی قول قابل ترجیح ہے اور آپ کی خلافت دس سال چھ مہینے رہی۔
اب رہا سیدنا عثمان رضی اللہ تعالی عنہ تو آپ ہفتہ کی شب بقیع میں دفن کئے گئے اس وقت آپ کی عمر ۸۲ بیاسی سال تھی اور ایک قول میں ۸۸ اسی پر آٹھ سال ہے آپ کی عمر کے بارے میں اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں اور آپ کی خلافت بارہ (۱۲) سال رہی۔ اب رہا سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ آپ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کے دن خلیفہ ہوئے اور یہ جمعہ کا دن تھا ذوالحجہ کی ۱۸ ر تاریخ پینتیس (۳۵) ہجری تھی، آپ کو شہر کوفہ میں عبدالرحمن بن ملجم مرادی نے ۱۷ ر رمضان المبارک ۴۰ھ چالیس ہجری جمعہ کی صبح شہید کردیا اور تین راتیں گزرنے کے بعد اسی حملہ کی وجہ آپ وصال پاگئے اور بوقت سحر تدفین عمل میں آئی اور اس وقت آپ کی عمر شریف ترسٹھ (۶۳) سال تھی، ایک قول میں پینسٹھ (۶۵)، ایک قول میں ستر (۷۰) اور ایک قول کے مطابق آپ کی عمر شریف اٹھاون (۵۸) سال تھی اور آپ کی خلافت چار (۴) سال نو (۹) ماہ اور چند دن رہی اور ہوسکتا ہے حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ ابھی بقید حیات تھے حالانکہ راجح قول یہی ہے کہ آپ کی عمر ۶۳ سال تھی، یا اس لئے کہ آپ کے پاس یہ بات ثابت نہیں تھی۔ اور اللہ بہتر جاننے والا ہے۔
امام ترمذی نے روایت کیا ہے حضرت جریرؓ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ۶۳ سال کی عمر میں ہوا، اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالی عنہما کی بھی یہی عمر تھی۔ اور اس وقت میں بھی ۶۳ سال کا ہوں یعنی میں توقع رکھتا ہوں کہ میں بھی ان حضرات کی موافقت میں اسی عمر میں انتقال کرجاؤنگا۔ اور کتاب جامع الاصول میں ہے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کی عمر بھی اس حدیث شریف کو بیان کرتے وقت یہی تھی لیکن اس عمر میں آپ کا وصال نہیں ہوا بلکہ آپ کا وصال (۷۸) اٹھتر سال کی عمر میں ہوا، اور ایک قول میں ہے آپ کی عمر (۸۶) چھیاسی سال تھی، علامہ میرک نے کہا ہے کہ آپ نے تمنا کی مگر مطلوب حاصل نہیں ہوا بلکہ آپ نے تقریباً (۸۰) اسی سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ میں کہتا ہوں: لیکن ان کو ان کی پسند کی چیز حاصل ہوگئی کیونکہ ان کی عمر کی زیادتی میں ان کی تمنا کے توافق کا ثواب مل گیا تو مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

495/7037۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز سب سے پہلے جو ہوا وہ سچے خواب ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی خواب نہیں دیکھتے مگر وہ صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہو جاتا پھر خلوت نشینی آپ کیلئے پسندیدہ بنادی گئی، اور آپ

---

1 قولہ: قال محمد بن اسماعیل البخاری ثلاث ۔ (محمد بن اسماعیل بخاری نے کہا ترسٹھ سال...) لفظ "ثلاث" زیر کے ساتھ ہے اور تقدیری عبارت اس طرح ہے: روایۃ ثلاث وستین اکثر یعنی ترسٹھ سال کی روایت دوسری روایتوں سے زیادہ ہے اور امام احمد نے اسی روایت کو ترجیح دی ہے۔ راجح اور مشہور قول کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت عام الفیل میں ہوئی اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے، علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ماہ ربیع الاول میں دوشنبہ کے دن پیدا ہوئے اور اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا وہ مہینہ کی آٹھ تاریخ ہے یا تو یا دس۔ اور آپ کا وصال مبارک بارہ ربیع الاول دوشنبہ کے دن چاشت کے وقت ہوا، آپ پر اللہ تعالی کے درود اور سلام ہوں۔ (مرقات)

2 قولہ: الاجلاء ت ۔ (مگر وہ صبح کی روشنی کی طرح نمایاں ہو جاتا) یعنی خواب اس سے مراد اس کی تعبیر اور تاویل ہے، جیسے صبح پھٹنے سے مراد اس کا روشن ہونا ہے، یعنی اس کی تعبیر اور تاویل کسی شک اور اشتباہ کے بغیر نہایت ظاہر اور واضح ہو جاتی۔ "فلق" لام کی حرکت کے ساتھ ہے، جس کے معنی صبح اور اس سے پھوٹنے والی روشنی ہے، قاضی عیاض نے فرمایا: "فلق" صبح کو کہتے ہیں، لیکن چونکہ یہ لفظ اس معنی میں اور دوسرے معنی میں استعمال کیا جائے جیسے **قل اعوذ برب الفلق** وغیرہ میں مذکور ہے تو اس کی طرف خاص کرنے کے لئے اور وضاحت کے لئے اضافت کی جاتی ہے، یہ عام اضافت خاص کی طرف ہوتی ہے جیسے عین شئی اور نفس شئی۔ امام نووی کی شرح مسلم میں مذکور ہے کہ علماء نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خواب سے آغاز کیا گیا تا کہ آپ کی خدمت میں فرشتہ اچانک نہ آئے اور یکا یک نبوت کا اعلان نہ ہو کہ کہیں بشری قوتیں اُسے برداشت نہ کریں اسی وجہ سے مانوس کرنے کے لئے عظمت کی علامتوں کے ساتھ اور سچے خوابوں کے ذریعہ آغاز کیا گیا۔

میں کہتا ہوں: دینی امور اور دنیوی امور میں تدریجی طور پر ہونے والے کاموں کا تقاضہ یہی ہے۔ (ماخوذ از لمعات ومرقات)

3 قولہ: ثم حبب الیہ الخلاء ۔ (پھر آپ کے نزدیک خلوت....) لفظ خلاء مد کے ساتھ ہے یعنی گوشہ نشینی، امام نووی نے فرمایا: گوشہ نشینی صالحین اور اللہ تعالی کی معرفت رکھنے والے بندوں کی نشانی ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں خلوت اختیار کرتے[1] تحنث کے معنی عبادت کرنا ہے[2] اور گھر والوں کے پاس جانے سے پہلے[3] کئی راتیں عبادت کیا کرتے، پھر اس کے لئے توشہ لے جاتے، پھر حضرت خدیجہ کے پاس لوٹ کر آتے تو وہ اسی طرح توشہ تیار کرتیں یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

علامہ خطابی نے فرمایا: آپ کے لئے خلوت نشینی پسندیدہ بنادی گئی کیونکہ خلوت نشینی میں دل فارغ رہتا ہے، جو غور وفکر کے لئے مددگار ہے، اسی کے ذریعہ بندہ انسانی خواہشات سے دور ہوتا ہے، دل میں خشوع اور فکر میں یکسوئی پیدا ہوتی ہے اور خلوت اور جلوت، میل ملاپ اور گوشہ نشینی کے افضل ہونے کے بارے میں اختلاف واقع ہوا ہے، اور راجح بات یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک اپنی معتبر شرائط کے ساتھ اس کے مقام پر افضل ہے۔

قولہ: حراء. حاء کے زیر کے ساتھ، راء بلا تشدید اور مد کے ساتھ ہے اور وہ ایک پہاڑ ہے، اس کے اور مکہ مکرمہ کے درمیان تین میل کا فاصلہ ہے یہ مکہ مکرمہ سے منی کی طرف چلنے والے کے لئے بائیں جانب واقع ہے۔ (مرقات)

1 **قولہ: وھو.** یعنی عبادت کرنا، لفظ تحنث کی وضاحت تعبد یعنی عبادت سے جو کی گئی، یہ وضاحت یا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول سے ہے یا امام زہری کا قول ہے جسے راوی نے حدیث کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (مرقات)

2 **قولہ: اللیالی ذوات العدد.** (کئی ایک راتیں عبادت کیا کرتے) یہ لفظ **یتحنث** کا متعلق ہے، **تعبد** کا نہیں، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم متعدد راتیں عبادت کرتے تھے، راتوں کو مطلق بیان کیا گیا اور یہاں بطور غلبہ اس دن کے ساتھ مراد لی گئیں کیونکہ یہی خلوت نشینی کے لئے زیادہ مناسب ہے اور چند راتیں مراد لینے کے لئے "**ذوات العدد**" کے لفظ سے صفت لائی گئی جیسا کہ اللہ تعالی کے ارشاد میں ہے: "**دراھم معدودۃ**" چند دراہم۔

قولہ: قبل أن ینزع الی أھلہ (اپنے گھر والوں کے پاس جانے سے پہلے) کہا جاتا ہے **نزع الی اھلہ** یعنی مشتاق اور مائل ہونا، اسی وجہ سے کہا گیا "**ینزع**" یہ لفظ "**یرجع**" کی طرح ہے۔

قولہ: ویتزود. پیش کے ساتھ ہے، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کے پاس تشریف لاتے اور اپنا توشہ لیتے، **لذلک** (اس کے لئے) یعنی چند راتیں عبادت کرنے کے لئے۔

قولہ: فیتزود لمثلھا. یعنی آپ اتنی راتوں کے لئے توشہ حاصل کرلیتے، اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ

پاس حق آگیا جب کے آپ غار حرا میں تھے تو آپ کی خدمت میں فرشتہ حاضر ہوا اور عرض کیا:
پڑھئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں پڑھنے والا نہیں ①، اور فرمایا: تو اُس نے مجھے پکڑا اور
دبایا ② یہاں تک کہ میری وجہ سے اس کو مشقت پہونچی پھر فرشتہ نے مجھے چھوڑ دیا اور عرض کیا: پڑھئے،
تو میں نے کہا: میں پڑھنے والا نہیں، تو اُس نے مجھے پکڑا اور دوسری مرتبہ دبایا یہاں تک کہ میری وجہ
سے اسکو مشقت پہونچی، پھر مجھے چھوڑ دیا اور عرض کیا: پڑھئے، تو میں نے کہا: میں پڑھنے والا نہیں،
تو اُس نے مجھے پکڑا اور تیسری مرتبہ دبایا یہاں تک کہ میری وجہ سے اس کو مشقت پہونچی، پھر مجھے

توشہ لینا توکل اور بھروسے کے خلاف نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح آتے جاتے رہے۔

قولہ: حتی جاءہ الحق . (یہاں تک کہ آپ کے پاس حق آگیا) یعنی حق کا معاملہ آپہنچا اس سے مراد وحی ہے۔ (مرقات)

1 **قولہ: ما انا بقارئ** . (میں پڑھنے والا نہیں) شارحین کی وضاحت سے یہ ظاہر ہے کہ اس جملہ کے ہر مرتبہ ایک ہی معنی ہیں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ پہلی مرتبہ "ما" نفی کے لئے ہے، دوسری مرتبہ سوال کے لئے ہے اور "با" زائدہ ہے یا مصدر والوں کی لغت کے اعتبار سے "ای شی" کے معنی میں ہے یعنی میں کیا چیز پڑھوں؟

قولہ: ما أنا بقارئ . کا مفہوم یہ ہے کہ جس کو میں پڑھنے والا ہوں وہ کیا ہے؟ یہ مفہوم اس وقت ہے جبکہ "ما" موصولہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے، اس مفہوم کے درمیان اور اس سے پہلے بیان کئے گئے مفہوم کے درمیان معنوی فرق یہ ہے کہ پہلے معنی میں سوال بطور انکار ہے اور اس معنی میں سوال اعلامی یعنی وضاحت چاہنے کے لئے ہے۔ (مرقات)

2 **قولہ: فغطني** . (تو اس نے مجھے دبایا) غین اور طاء کی تشدید کے ساتھ ہے یعنی اُس نے مجھے دبایا، چمٹایا اور نچوڑا۔

قولہ: حتی بلغ مني الجهد . (یہاں تک کہ وہ میری وجہ سے مشقت کو پالیا) امام نووی نے فرمایا: لفظ "**جهد**" جیم کے زبر اور پیش کے ساتھ ہے، اس کے معنی انتہاء اور مشقت کے ہیں، دال کو زبر اور پیش پڑھنا درست ہے، زبر کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ جبرئیل علیہ السلام مشقت کو پہنچ چکے اور پیش کی صورت میں یہ معنی ہے کہ مشقت اپنی انتہاء کو پہنچ گئی۔ ان دونوں صورتوں کو یعنی دال کے زبر اور پیش کی صورتوں کو صاحب تحریر نے ذکر کیا ہے۔ (ماخوذ از لمعات و مرقات)

چھوڑ دیا اور عرض کیا: اپنے رب کے نام سے پڑھئے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھئے اور آپ کا رب نہایت کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ سکھایا، سکھایا انسان کو وہ جو وہ نہیں جانتا تھا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان آیتوں کو لیکر واپس ہوئے[1] جبکہ آپ کا مبارک دل حرکت کر رہا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: مجھے چادر اڑھا دو، تو انہوں نے آپکو چادر اڑھا دی، یہاں تک کہ آپ سے فکر دور ہوئی تو حضرت خدیجہ سے فرمایا: اور واقعہ بیان کیا، یقیناً میں اپنے اوپر اندیشہ کرتا ہوں، تو حضرت خدیجہ نے عرض کیا: ہرگز نہیں! اللہ کی قسم! اللہ تعالی آپ کو کبھی بے مدد نہیں چھوڑے گا، یقیناً آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بات کہتے ہیں، کمزور لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں[2]، ضرورت مند کے لئے کسب فرماتے ہیں[3]

1 قولہ: **فرجع بها** (ان آیتوں کے ساتھ واپس ہوئے) یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آیتیں لے کر واپس ہوئے۔

قولہ: واخبرها الخبر. (آپ نے ان کو واقعہ کی خبر دی) یعنی جو واقعہ ہوا اس کی خبر دی، یہ جملہ حالیہ ہے جو قول اور مقولہ "**لقد خشیت**" کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

قولہ: لقد خشیت علی نفسی (اور میں اپنے اوپر اندیشہ کیا) امام نووی کی شرح مسلم میں ہے: قاضی عیاض نے فرمایا: اللہ تعالی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو عطا فرمایا اس جملہ سے اُس میں شک مراد نہیں ہے لیکن کبھی یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اس معاملہ کا سامنا کرنے کی طاقت نہ رہے گی اور وحی کا بار اٹھانے کی قوت نہ ہوگی کہ روح جسم سے نکل جائے۔ (مرقات)

2 **قولہ: وتحمل الکل** (وہ کمزور کا بوجھ اٹھاتے) یہ وہ شخص ہے جو اپنے معاملہ میں مستقل نہیں ہے، کبھی اُسے بوجھل سے تعبیر کیا جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ کمزور کا بوجھ برداشت کرتے ہیں، کمزور کا بوجھ اٹھانے میں ناتواں یتیم بیوہ خواتین پر اور اہل وعیال میں مرد وعورت پر خرچ کرنا داخل ہے۔ (مرقات) ۳ **قولہ: تکسب المعدوم** (ضرورت مند کے لئے کسب فرماتے ہیں) معنی یہ ہے کہ آپ بھلائی کے لئے مال حاصل کرتے ہیں یا ضرورتمند کو عطا فرماتے ہیں تو تنگدست فی نفسہ معدوم ہے یا مالدار کی نظر میں معدوم ہے۔ (مرقات)

مہمان کی ضیافت کرتے ہیں اور راہ حق کی مصیبتوں میں مدد فرماتے ہیں[1] پھر حضرت خدیجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو حضرت خدیجہ کے چچازاد بھائی ہیں، انہوں نے کہا: اے میرے چچازاد بھائی! اپنے بھتیجہ سے سنو، تو ورقہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے میرے بھتیجہ! آپ کیا دیکھتے ہیں؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتلادیا جو آپ

---

1 **قوله: وتعين على نوائب الحق** (اور آپ راہ حق کے مصیبتوں میں مدد فرماتے ہیں) یعنی اُن مصیبتوں کے وقت مدد فرماتے ہیں جو حق کی تقدیر کی وجہ سے مخلوق پر آتی ہیں یعنی باری باری آتی ہیں، کہا گیا کہ **نائبة** کی جمع نوائب ہے حادثہ کو کہا جاتا ہے، اس کی اضافت حق کی طرف کی گئی اس لئے کہ مصیبت کبھی خیر میں واقع ہوتی ہے اور کبھی شر میں واقع ہوتی ہے۔ (مرقات)

2 **قوله: اسمع من ابن اخيك** (اپنے بھتیجے سے سنو) یہ مجاز کے طور پر ہے، جیسے اُن کا کہنا ہے: اے عرب کے بھائی۔ ایک شارح نے کہا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ تعظیم کے طور پر فرمایا حقیقت کے اعتبار سے نہیں۔

قوله: ياليتني فيها (اے کاش میں ان دونوں میں) یعنی اعلان نبوت کے زمانہ میں۔

لفظ "**جذع**" جیم کے زبر اور ذال کے ساتھ ہے، یعنی مضبوط طاقتور نوجوان ہوتا ہے، یہاں تک کہ آپ کی بھرپور مدد کرتا، یہ جوان گھوڑے کے درجہ میں ہے وہ ایسے گھوڑے کو کہتے ہیں جو تیسرے سال میں داخل ہو چکا ہو لفظ **جذع** دراصل چوپایوں کے لئے مستعمل ہے اور یہاں بطور استعارہ لایا گیا ہے، اور اُس کو زبر "**کنت**" پوشیدہ کی وجہ سے ہے، کاش میں زندہ ہوتا یعنی اگرچہ طاقتور نہ رہوں۔

قول: **اومخرجي هم** (کیا وہ مجھے نکالنے والے ہیں) یہ سوال ان کے اس اقدام پر بطور تعجب معلوم کرنا ہے تاکہ مقصود پختہ ہو جائے، **قوله مؤزرا**۔ زاء کو زبر اور تشدید کے ساتھ یعنی "ازر" سے ماخوذ ہے جس کے معنی قوت کے ہیں، میں کہتا ہوں: اس سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **اشدد به ازري** ان کے ذریعہ میری طاقت کو مضبوط کر۔ (مرقات)

نے دیکھا تھا، تب ورقہ نے کہا: یہی وہ ناموس ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا، اے کاش! میں اس وقت جوان ہوتا، اے کاش! میں زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی، تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا وہ مجھے نکالنے والے ہیں؟ ورقہ نے کہا: ہاں! کسی صاحب نے اس جیسی چیز نہیں لائی جو آپ لائے مگر اُن سے دشمنی کی گئی اور اگر آپ کا وہ دن مجھے مل جائے تو میں آپ کی بھرپور مدد کروں گا، پھر ورقہ کچھ عرصہ نہیں ٹھیرے کہ انکا وقت آگیا اور وفات پاگئے اور نزول وحی کا سلسلہ رک گیا۔

496/7038 امام بخاری نے ان الفاظ کا اضافہ کیا: یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت رنجیدہ ہوئے[1]، اور ہم کو جو روایت پہنچی ہے اس میں یہ ہے کہ آپ اس کی وجہ سے بہت رنجیدہ متعدد مرتبہ صبح گئے کہ پہاڑوں کی چوٹیوں سے اپنے آپ کو گرائیں، جب بھی آپ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے تا کہ اپنے آپ کو اس سے گرادیں تو حضرت جبریل علیہ السلام سامنے آتے اور عرض کرتے: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ اللہ کے رسول برحق ہیں تو اس کی وجہ سے آپ کی بے چینی سکون پاتی اور دل مطمئن ہوتا۔

صاحب درمختار نے کہا[2]: کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے پہلے کسی اور نبی کی شریعت کے

---

1 **قوله: فیما بلغنا** (اس روایت میں جو ہم کو پہونچی ہے) یعنی آپ کے غم پر دلالت کرنے والی جو احادیث ہم تک پہنچی ہیں، اور وہ فعل اس کے مصدر کے درمیان حائل ہے، اور یہ فعل اس کے مصدر منصوب کے درمیان حائل ہے، مصدر کو زبر مفعول مطلق ہونے کی بنیاد پر ہے، "حزنا" میں پیش کے بعد جزم ہے اور دونوں کو زبر پڑھنا درست ہے۔ یعنی بہت غم، اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ صبح کے وقت آپ اس غم کی وجہ سے تشریف لے جاتے یا وحی کے موقوف ہونے کی وجہ سے۔

قوله: کی یتردی یعنی تا کہ گر جائیں۔ **أوفی** کے معنی ملنا اور لاحق ہونا ہے۔ (مرقات)

2 **قوله: المختار عندنا** صاحب ردالمحتار نے فرمایا: ہمارے پاس مختار میں یہ نہیں ہے اور صاحب تقریر اکمل نے اس

مطابق عبادت کرتے تھے؟ ہمارے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ: نہیں! بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام کی شریعت سے جو کشف صادق ظاہر ہوتا آپ اس کے مطابق عمل کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غار حرا میں عبادت کرنا، ثابت ہے۔ (بحر)

صاحب مرقات نے کہا: اس حدیث شریف سے حنفی فقہاء استدلال کرتے ہیں کہ **"بسم اللہ الرحمن الرحیم"** سورتوں کے آغاز میں قرآن کی آیت نہیں کیونکہ یہاں اُس کا ذکر نہیں کیا گیا۔

کی نسبت ہمارے محققین فقہاء کی طرف کی ہے زیادہ مناسب یہی ہے۔ "تقریر اکمل" میں ہمارے محقق اصحاب کی نسبت مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رسالت سے پہلے مقام نبوت میں کبھی کسی نبی کی امت میں شامل نہ رہے الخ۔ صاحب "نہر" نے اس قول کی نسبت جمہور کی طرف کی ہے اور محقق ابن ہمام نے "تحریر" میں اس بات کو ترجیح دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ پر عبادت کرتے تھے جس کا شریعت ہونا آپ کے پاس ثابت ہوتا اور یہ خاص شریعت نہیں تھی اور نہ آپ اس شریعت والوں میں شامل رہے۔ حافظ عسقلانی نے فرمایا: آپ کی عبادت کے طریقہ سے متعلق وضاحت نہیں آئی ہے، لیکن ابن اسحٰق کے پاس عبید بن عمیر کی روایت میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرکین کو کھانا کھلاتے جو آپ کے پاس حاضر ہوتے، اور بعض مشائخ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تفکر کے ذریعہ عبادت کرتے اس بات کو امام سیوطی نے صحیح مسلم کے حاشیہ میں ذکر کیا، امام ابن ہمام کی "تحریر" میں مذکور ہے: راجح بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے پہلے جو عبادت کرتے ایک قول میں حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت کے مطابق، ایک دوسرے قول میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے مطابق، ایک قول میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ایک قول میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے مطابق عبادت فرماتے۔ مالکیہ نے اور علامہ آمدی نے اس کی نفی کی ہے اور امام غزالی نے آپ سے پہلے انبیاء میں سے کسی کی شریعت کے مطابق آپ کی عبادت کے بارے میں توقف کیا ہے، شرح تحریر میں ہے: امام الحرمین علامہ مازری اور دیگر حضرات نے فرمایا: اصول فروع میں اس مسئلہ کا کوئی نتیجہ ظاہر

497/7039 حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روات ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چند دن وحی کے رک جانے سے متعلق فرماتے ہوئے سنا آپ نے فرمایا: میں چل رہا تھا آسمان سے ایک آواز سنا تو اپنی نظر اٹھایا تو اچانک وہ فرشتہ جو میرے پاس حراء میں آیا تھا آسمان وزمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے تو اس سے رعب کی بناء پر بے قراری میں ڈالدیا گیا یہاں تک کہ میں زمین کی طرف اترا اور اپنے گھر والوں کے پاس آیا اور کہا: مجھے کمبل اوڑھادو، مجھے کمبل اوڑھادو، تو وہ مجھے اوڑھادیئے پس اللہ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں **"یا ایھا المدثر الخ"** اے چادر اوڑھنے والے اٹھو اور آگاہ کرو اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو، اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو اور گندگی کو چھوڑے رہو، پھر وحی کا سلسلہ گرم ہوگیا اور وہ مسلسل آنے لگی۔ (متفق علیہ)

498/7040 یحیٰی بن ابی کثیر سے روایت ہے انہوں نے کہا میں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے قرآن کی سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا **یا ایھا المدثر** ہے، تو میں نے کہا: لوگ کہتے ہیں اقرأ باسم ربک پہلی آیت ہے، تو ابوسلمہ نے کہا میں نے اس کے بارے میں حضرت جابر سے پوچھا اور ان سے اسی طرح کہا جو تم نے مجھ سے کہا ہے تو حضرت جابر

نہیں ہوتا بلکہ بعثت سے پہلے آپ کی عبادت منقول تواریخ کے مطابق رہی ہے اور اس پر شریعت میں حکم مرتب نہ ہوگا۔

1 **قولہ: من فترۃ الوحی** (یعنی وحی کے چند دن رک جانے کے اور پھر اس کے مسلسل آنے کے بارے میں)۔

قولہ: فجئثت (میں فکر میں ڈالدیا گیا) جیم کو پیش ہمزہ کو زیر اور ثاء کو جزم ہے (ماضی مجہول واحد متکلم) یعنی میں فکر مند اور خوفزدہ ہوگیا۔ **قولہ حتی ھویت** اس میں "واؤ" کو زبر (فتحہ) ہے یعنی میں زمین پر آگیا اور اتر گیا۔ **قولہ فانذر** یعنی لوگوں کو عذاب کا خوف دلا کر آگاہ کرو اور مومنین کو مختلف قسم کے ثواب کی خوشخبری دو۔ یہاں صرف کافروں اور بدکار

نے مجھ سے کہا میں تم سے وہی بات کہہ رہا ہوں جو ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں حراء میں ایک مہینہ اعتکاف رکھا[1] اور جب میں اپنا اعتکاف پورا کیا تو نیچے اتر آیا، تو مجھے آواز دی گئی تو سیدھی جانب نظر کیا کوئی چیز نہیں دیکھا اور بائیں جانب نظر کیا کوئی چیز نہیں دیکھا اور پیچھے دیکھا تو کوئی چیز نہیں دیکھا تو میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا[2] تو ایک چیز دیکھا تو میں حضرت خدیجہ کے پاس آیا اور کہا مجھے کپڑا اوڑھادو تو وہ مجھے کپڑا اوڑھادیئے اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالے پھر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئیں یا ایھا المدثر o قم فانذر o وربک فکبر o وثیابک فطھر o والرجز فاھجر o انہوں نے کہا یہ نماز فرض ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ (متفق علیہ)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اقرأ کی آیت حقیقت میں پہلی آیت ہے[3] اور یا ایھا المدثر کی آیت دوسری آیتوں کی بہ نسبت پہلی ہے۔

لوگوں کے غلبہ کی وجہ سے ڈرانے پر اکتفا کیا گیا یا اختصار سے کام لیا گیا۔ (مرقات)

1 قولہ: **شھرا.** اس میں اس بات کا اعلان ہے کہ وحی کے موقوف رہنے کا عرصہ ایک مہینہ کا تھا۔

قولہ: جواری. جیم کو زیر کے ساتھ یعنی میری مجاورت اور میرا اعتکاف۔ (مرقات)

2 **فرفعت راسی فرأیت شیئا** (میں اپنا سر اوپر اٹھایا تو ایک چیز دیکھا) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول یہ بات گزر چکی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وحی موقوف رہنے کی مدت کے بارے میں بیان کرتے ہوئے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چل رہا تھا کہ آسمان سے ایک آواز سنا اور اپنی نگاہ اٹھایا اس فرشتہ کو دیکھا جو حراء میں میرے پاس آیا تھا۔ (الحدیث) اس حدیث شریف سے اس بات کی صراحت ہوجاتی ہے کہ یہاں اولیت اضافی ہے یعنی پہلی آیت سے وحی موقوف ہونے کی مدت کے بعد پہلی آیت مراد ہے۔ (مرقات)

3 **قولہ: ان اقرأ اولہ الحقیقی.** (اقرأ کی آیت حقیقی پہلی آیت ہے) اسی لئے بعض محققین نے کہا ہے جنہوں نے

499/7041 حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت حارث بن ہشام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اور عرض کیا یارسول اللہ! آپ پر وحی کس طرح آتی ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی وقت میرے پاس گھنٹی کی جھنکار کی طرح آتی ہے[1] اور وہ مجھ پر بہت سخت ہوتی ہے تو وہ ختم ہوتی ہے اور جو کچھ اس نے کہا میں اس سے یاد کرلیا ہوتا ہوں، اور کسی وقت

یــا ایهـا المدثر کو پہلی آیت کہا ہے ان کا قول ضعیف ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ اول علی الاطلاق یعنی سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت **اقرأ باسم ربك** ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے، اب رہا آیت **یــا ایهـا المدثر** کا نزول تو وہ فترت وحی کے بعد ہے، اور جیسا کہ امام زہری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں **وهو یحدث من فترة الوحی** سے **یا ایهـا المدثر** تک کے الفاظ اس کی تائید کرتے ہیں، اور امام نووی نے فرمایا مفسرین کرام میں سے جنہوں نے یہ کہا کہ سب سے پہلے سورہ فاتحہ نازل ہوئی ہے یہ قول صحیح نہیں ہے، لیکن اس میں بحث ہے، اس لئے کہ ہوسکتا ہے ان کی مراد یہ ہو کہ سب سے پہلی مکمل نازل ہونے والی سورت سورہ فاتحہ ہے یا اس قول کے مطابق کہ سورہ فاتحہ مدنی ہے ہوسکتا ہے کہ وہ مدینہ میں نازل ہونے والی سب سے پہلی سورت ہو۔ یا سورہ **اقرأ** اور سورہ **المدثر** کے بعد نازل ہونے والی پہلی سورت ہو۔ تو اس کی اولیت بھی اولیت اضافی ہوگی۔ اور حدیث شریف کے ان الفاظ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ مدثر کی یہ آیتیں نماز کے فرض ہونے سے پہلے نازل ہوئی ہیں، یعنی وہ نماز جس کی صحت یا اس کا کمال سورہ فاتحہ کی تلاوت پر موقوف ہے۔ اور اللہ بہتر جاننے والا ہے۔ (مرقات)

[1] **قوله: أحیانا یاتینی مثل صلصلة الجرس الخ.** (بعض اوقات وہ میرے پاس گھنٹی کی جھنکار کی طرح آتی ہے) علامہ تورپشتی نے فرمایا: گمراہ لوگ اس حدیث شریف سے غلط مفہوم لیتے ہیں اور عام لوگوں کو گمراہ کرنے اور انہیں شک میں مبتلا کرنے کے لئے اس حدیث کو ذریعہ بنالیتے ہیں حالانکہ یہ ایک روشن حق ہے اور ایک ایسا نور ہے جو مبارک درخت سے روشن ہے جس کا تیل قریب ہے کہ روشن ہوجائے اگرچہ آگ اُسے مس نہ کرے، اس میں وہی شخص غلطی کرتا ہے جس کے دل کی آنکھوں کو اللہ تعالیٰ اندھا کردے۔

فرشتہ میرے پاس مرد کی شکل میں آتا ہے اور وہ مجھ سے کلام کرتا ہے اور میں یاد کرتے جاتا ہوں

ہم اس بات میں خلاصہ کلام کے طور پر کہیں گے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ کے معین اور اللہ کی کتاب کی حفاظت کرنے والے اور امور غیبیہ بتلانے والے اور قلبی مناجات کے لئے مخصوص تھے اور امت کو انکی حسب استعداد اس کا حصہ سرفراز کرتے تھے اور ان امور میں سے کوئی بات بتلانا چاہتے جو ان کے فہم سے بالاتر ہیں تو اس کے لئے عالم شہادت کی مثالیں بیان فرماتے کہ وہ اپنے مشاہدہ کے امور کے ذریعہ ان امور کو سمجھ سکیں جن کا انہوں نے مشاہدہ نہیں کیا۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے جب وحی کی کیفیت سے متعلق دریافت کیا اور یہ اُن گہرے مسائل اور نادر علوم سے ہے جس کے چہرے سے ہر طالب علم اور علم چاہنے والے کے لئے ہر عالم اور سیکھنے والے کیلئے نقاب ہٹایا نہیں جا سکتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے عالم شہادت میں ایسی مسلسل آواز سے تشبیہ دی جس کو سنا جا سکتا ہے مگر اس سے کچھ سمجھا نہیں جا سکتا، اس بات پر متنبہ کرنے کے لئے اس کی خبر جلال و کبریائی کے لباس قلب پر اترتی ہیں اور جس وقت وہ قلب پر اترتی ہیں تو خطاب کی ہیبت دل کے سارے مقامات کو گرفت میں لے لیتی ہے اور اس قول کے ثقل وزن سے ایک کیفیت لاحق ہو جاتی ہے کہ اس قول کے موجود ہونے کے باوصف اُسے گفتگو کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا اور جب وہ کیفیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہو جاتی ہے تو وہ نازل شدہ قول دل میں موجود اور قابل سماعت کلام کے درجہ میں پایا جاتا ہے اور آپ کا ارشاد **فیعصم وقدوعیت** کا یہی مفہوم ہے، **یفصم** کے معنی وحی کی شدت کا ختم ہونا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو تشبیہ دی ہے بخار زدہ شخص کی حالت سے جب اس کا بخار ختم ہو جاتا ہے۔ اور **افصم المطر** بھی کہا جاتا ہے جب بارش ختم ہو جاتی ہے اور وحی کی یہ قسم فرشتوں پر آنے والی وحی کے مشابہ ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آسمان میں جب کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے اس کے فرمان کی اطاعت کرنے کے لئے اپنے پروں کو پھڑ پھڑاتے ہیں گویا چٹان پر زنجیر کھینچی گئی اور جب ان کے قلوب سے وہ کیفیت دور ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا: تو کہتے ہیں حق ہے اور وہی بلند و بالا ہے اس بات کو یاد رکھو۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں یہ بات گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دو طریقہ سے وحی آتی تھی، اور پہلا طریقہ دوسرے سے سخت ہوتا تھا وہ اس لئے کہ اس طریقہ میں بشری طبعیت سے ملکوتی کیفیت کی طرف لوٹنا ہوتا تھا اور اس حالت میں فرشتوں پر وحی نازل ہونے کی طرح نزول وحی ہوا کرتا تھا، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ

رضی اللہ تعالیٰ

کچھ وہ کہتا جاتا ہے، حضرت عائشہ نے فرمایا[1] میں آپ کو سخت سردی کے دن دیکھی آپ پر وحی نازل ہوتی اور وہ آپ سے ختم ہوتی حال یہ ہوتا کہ آپ کی مبارک پیشانی پسینہ سے بہہ رہی ہوتی ۔ (متفق علیہ)

500/7042 حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تو آپ اسکی وجہ فکر مند ہو جاتے[2] اور آپ کا چہرہ مبارک

عنہ کی روایت میں ہے اور یہ حدیث حسن اور صحیح ہے اور دوسرے طریقہ میں فرشتہ بشری شکل میں آتا تھا اور یہ طریقہ آسان ہوتا تھا، علامہ طیبی نے فرمایا یہ بات بعید نہیں کہ وہ حقیقت میں ایسی آواز ہو جو معانی کو شامل ہو اور نفس کو اس سے مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے اس کے لئے وحشت ناک ہو لیکن دل کو اس سے مناسبت کی وجہ اس میں اسکا معنی پلا دیا اور جما دیا جائے اور جب وہ آواز ختم ہو جائے تو نفس ہوش میں آجائے پھر نفس دل سے وہ معنی جو دل میں ڈالے گئے ہیں حاصل کرلے اور اس کو یاد کرے اور سمجھ لے باوجودیکہ اس کیفیت کا علم ان اسرار میں سے ہے جس کو عقل ادراک نہیں کرسکتی ۔ اور شرح مسلم میں ہے قاضی عیاض نے فرمایا اس جیسے جو امور آئے ہیں انہیں اپنے ظاہر پر رکھا جاتا ہے اور اسکی کیفیت اور اس کی صورت ان امور میں سے ہے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا اور پھر وہ فرشتے یا رسول جان سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ان امور سے کسی چیز پر واقف کیا ہو ۔ اور کمزور نظر و فکر اور کمزور ایمان والا ہی اس کی تاویل کرتا ہے اور اسے اس کے ظاہر سے ہٹاتا ہے کیونکہ اس کو شریعت نے بیان کیا اور عقلی دلائل اُسے اپنے معنی سے نہیں ہٹا سکتے ۔ (مرقات)

1 **قولہ: قالت عائشہ**۔ (حضرت عائشہ نے فرمایا) علامہ کرمانی نے فرمایا ہے: ہوسکتا ہے کہ یہ روایت سابق سند میں داخل ہو خصوصا اس وقت جب کہ عطف میں حرف عطف کو حذف کرنا جائز ہو ۔ اور اگر وہ اس سابق سند میں داخل نہ ہو تو اس کے لئے دوسری نئی سند ہوگی امام بخاری نے اس کو شدت کے معاملہ کی تائید و تاکید کے لئے بطور تعلیق ذکر کیا ہوگا اور علامہ عسقلانی نے فرمایا: یہ حدیث اس سے پہلے والی سند کے ساتھ ہے اگرچیکہ حرف عطف کے بغیر ہے ۔ (مرقات)

2 **قولہ: کرب لذلك**۔ (اس کی خاطر فکر مند ہو جاتے) کرب اور **کربة** وہ غم اور فکر ہے جو نفس کو گرفت کرلیتا ہے **کربة الغم** کہا جاتا ہے، **وقولہ فلما اتلی** نسخوں میں یہی روایت مشہور ہے اور اسکے معنی ہے جب آپ سے وحی مکمل ہو جاتی اور مسلم کے بعض نسخوں میں لفظ اجلی جیم کے ساتھ ہے اور بعض نسخوں میں **انجلی** ہے سب کے معنی یہی ہیں کہ

متغیر ہو جاتا۔ 501/7043﴾ اور ایک روایت میں ہے آپ اپنا سر مبارک جھکا لیتے اور آپ کے صحابہ بھی اپنے سروں کو جھکا لیتے اور جب وحی پوری ہو جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر اٹھا لیتے۔ (مسلم)

502/7044﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا جب آیت **وانذر عشیرتک الاقربین** (اور آپ اپنے قرابت داروں کو آگاہ کر دیجئے) نازل ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور صفا پہاڑ پر چڑھے اور آواز دینے لگے: اے بنی فہر اے بنی عدی! ایک ایک قبائل قریش کو آواز دیتے گئے یہاں تک کہ وہ جمع ہو گئے، اور کوئی شخص نہیں آسکا تو وہ اپنا قاصد بھیج دیا تا کہ دیکھے وہ کیا ہے اور ابولہب اور قریش سب آ گئے تو آپ نے فرمایا: تم مجھے بتاؤ اگر میں تم کو یہ خبر دوں کے گھوڑ سوار فوج اس پہاڑ کے کنارے سے نکل کر آئیگی[1]

503/7045﴾ اور ایک روایت میں اس وادی میں گھوڑ سوار فوج نکل کر آئیگی اور وہ تم پر حملہ کرنا چاہتی ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں ہم نے آپ پر تجربہ نہیں کیا مگر سچائی کا، آپ نے فرمایا: میں تم کو ایک سخت عذاب سے آگاہ کر رہا ہوں۔ ابولہب نے کہا: آپ کا برا ہو، کیا آپ نے ہم کو اسی کے لئے جمع کیا تھا تب آیت **تبت یدا ابی لهب وتب**۔ (ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ ہلاک ہو گیا) نازل ہوئی۔ (متفق علیہ)

جب وہ ختم ہوتی اور وہ کیفیت زائل ہو جاتی اور شرح السنہ کی ایک روایت میں **فلما اقلع** ہے علامہ سید نے فرمایا: راجح قول **فلما اتلی عنه** ہے۔ (علامہ سید)

1﴾ **قوله: تخرج**۔ یعنی فوج نکل کر آرہی ہے۔

504/7046 حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: اس اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اور قریش کی جماعت اپنی نشست گاہوں میں بیٹھی ہوئی تھی ایک کہنے والے نے کہا: تم میں کون فلاں خاندان کے اونٹ کے پاس اٹھ کر جائیگا اور اس کا گوبر[1] اس کا خون اسکی بچہ دانی لائے گا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدے میں جانے کا انتظار کرے پھر اس کو آپ کے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دے۔ ان میں کا بدبخت ترین شخص اٹھا اور آپ جب سجدہ میں گئے تو اس کو آپ کے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں قائم رہے اور وہ کفار اس قدر ہنسے کہ ایک دوسرے پر ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہوئے۔ کوئی جانے والے صاحب سیدہ فاطمہ کے پاس گئے تو وہ دوڑتی ہوئی آئیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ ریز تھے یہاں تک کہ وہ آپ پر سے اس کو ہٹادیں اور ان کی طرف رخ کر کے ان کو

وقولہ: من صفع ھذا الجبل. یعنی اس پہاڑ کے کنارے سے **وقولہ بین یدی عذاب شدید** یہ عذاب یا تو دنیا میں آئیگا یا آخرت میں آئیگا۔ (مرقات)

1 **قولہ: فرثھا.** گوبر، صحاح میں ہے: جب تک وہ اوجڑی میں رہتا ہے **فرث** کہلاتا ہے اور **ھا** ضمیر کا مرجع **جزور** ہے۔ **جزور** اگرچہ نر اور مادہ اونٹ دونوں کے لئے ہے مگر لفظاً مؤنث ہے، کیونکہ نر اونٹ کے لئے بھی **ھذہ الجزور** کہا جاتا ہے، جیسا کہ نہایہ میں ہے۔ **قولہ وسلاھا** سین کو زبر ہے اور لام کو تشدید نہیں ہے اور اس پتلی جھلی کو کہتے ہیں جس میں بچہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے وقت لپٹا ہوا ہوتا ہے۔

قولہ: الی فاطمة (سیدہ فاطمہ) جیسا کہ مواہب میں ہے اس وقت وہ کم عمر تھیں، ان کی ولادت مبارک کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف اکتالیس سال تھی، **قولہ تسبھم** یعنی سخت بولنے لگیں اور ان پر لعنت کرنے لگیں اور وہ کفار ان کی صغرسنی کی وجہ سے خاموش تھے۔ اور یہی سبب ہوگا کہ سیدہ کے سوا کوئی دوسرے اس کام کا اقدام نہیں کئے

سخت بولنے لگیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے[1] تو تین مرتبہ فرمائے:

کیونکہ ہوسکتا تھا کے اس سے اس قدر فتنہ بھڑک اٹھے کہ قبائل کے درمیان جنگ کی نوبت آجائے۔(مرقات)

1 قولہ: فلما قضی رسول الله صلی الله علیه وسلم الصلوة. (تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پوری کئے) امام نووی کی شرح مسلم میں ہے اگر یہ سوال کیا جائے کہ آپ کی پشت مبارک پر نجاست ہوتے ہوئے آپ کیسے نماز میں رہے؟ قاضی عیاض نے اس کا جواب دیا ہے: یہ ناپاک نہیں ہے کیونکہ لید گوبر اور بدن کی رطوبت دونوں پاک ہیں، صرف خون ناپاک ہے اور امام مالک اور ان سے موافقت کرنے والوں کا مذہب ہے کہ ان جانوروں کی لید گوبر جن کا گوشت کھایا جاتا ہے ناپاک نہیں ہے، مگر ہمارے مذہب شافعی میں اور امام ابوحنیفہ کے مذہب میں یہ ناپاک ہے۔ امام قاضی عیاض نے جو کہا ہے یہ بات ضعیف ہے اس لئے کہ بچہ دانی نجاست کو لی ہوئی ہوتی ہے کیونکہ وہ عموماً خون سے خالی نہیں ہوتی اور اس لئے بھی کہ وہ بت پرستوں کا ذبیحہ تھا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ اس صورت میں ہے جب کہ وہ ذبح کیا گیا ہو ورنہ مردار تو سب کے پاس ناپاک ہے اور امام نووی سے غفلت ہوگئی اس لئے کہ حدیث شریف میں خون کا بھی ذکر ہے کیونکہ بچہ دانی عموماً خون سے پاک نہیں رہتی، پھر آپ نے کہا اس کا بہتر جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی پشت پر بچہ دانی رکھنے کی خبر نہیں ہوئی تو آپ اپنے سجدہ میں طہارت کی سابق حالت میں قائم رہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ یہ جواب قابل قبول نہیں ہے اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا تو جبرئیل امین آپ کو اسکی اطلاع دیتے کیونکہ نماز نجاست کے ساتھ درست نہیں اور اس جیسی صورت میں اس کا بیان کرنا ضروری ہے تو اس کا صحیح جواب وہ ہے جو شرح السنہ میں بیان کیا گیا کہ ان کا یہ عمل گوبر، خون اور مشرکین کے ذبیحہ کی حرمت کے حکم سے پہلے کا ہے، اس لئے اس سے نماز باطل نہیں ہوتی تھی جیسے شراب اس کی حرمت سے پہلے کپڑوں کو لگ جایا کرتی تھی، علامہ طیبی نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس حالت میں اسی طرح سجدہ میں رہنا مزید شکایت کے طور پر تھا اور اللہ کے دشمنوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو حرکت کی ہے اس کے اظہار کے لئے تھا تاکہ وہ ان کی سخت گرفت کرے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے بددعا کی تین مرتبہ تکرار فرمائی۔(مرقات)

اور صاحب لمعات نے فرمایا: حدیث شریف میں یہ اشکال ہے کہ آپ کی پشت مبارک پر نجاست ہوتے ہوئے کس طرح آپ

اے اللہ تو قریش کی گرفت کرلے³ اور آپ جب دعا کرتے تو تین مرتبہ دعا کرتے تھے اور جب اللہ سے سوال کرتے تو تین مرتبہ سوال کرتے تھے اور فرمایا: اے اللہ تو عمرو بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط اور عمارہ بن ولید کی گرفت کرلے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: اللہ کی قسم! یقیناً میں نے انہیں بدر کے دن پچھاڑے ہوئے دیکھا²۔ پھر

نے نماز کو جاری رکھا تو اس کے جواب میں پہلی بات یہ کہی گئی ہے کہ امام مالک اور ان کے موافقین کے پاس لید پاک ہے اور صرف خون ناپاک ہے، پھر اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ لید بغیر خون کے نہیں تھی اور دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے لید اور خون بچہ دانی کی جھلی کے اندر تھے اور بچہ دانی کا چمڑا پاک ہے اور اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ وہ مشرکین کا ذبیحہ تھا، تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ واقعہ مشرکین کے ذبیحے حرام ہونے سے پہلے کا ہے۔ اور امام نووی نے فرمایا بہتر جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپکی پشت مبارک پر یہ جو رکھا گیا تھا اس کی خبر نہیں ہوئی اس لئے آپ سابق پاک حالت میں سجدہ کی حالت میں قائم رہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ واقف ہوجانے کے بعد اس کو قضا کرنا چاہیے تھا۔ تو علماء شافعیہ نے یہ جواب دیا ہے کہ فرائض میں اعادہ واجب ہے اگر یہ ثابت ہو کہ یہ نماز فرض تھی تو وقت میں گنجائش موجود ہے، ہوسکتا ہے آپ نے اعادہ کیا ہو، اور علماء حنفیہ کا بھی یہی جواب ہے۔

1﴾ **قولہ: علیك بقریش** (اے اللہ تو قریش کی گرفت کرلے) با زائد ہے اور علیک اسم فعل ہے اور اس کے معنی ہیں: ان کی سخت گرفت کرلے۔

وقولہ: الی القلیب قلیب ایسا کنواں جسکی دری بنائی نہ گئی ہو، **قولہ قلیب بدر** قلیب کی با کو زیر (کسرہ) ہے ترکیب میں بدل ہے اور اس میں پیش اور زبر بھی جائز ہے اور بدر مشہور مقام ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ بدر نامی شخص کی جگہ تھی (مرقات)

2﴾ **قولہ: لقد رأیتھم صرعی الخ** (میں نے ان کو پچھاڑا ہوا دیکھا ہے) علامہ عسقلانی نے فرمایا: عمارہ کو مقتولین بدر میں جو شمار کرتے ہیں اس میں اشکال ہے کیونکہ وہ بدر میں مارا نہیں گیا بلکہ اصحاب مغازی لکھتے ہیں کہ سرزمین حبشہ میں مرگیا، اس کا جواب یہ ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کا فرمانا اغلبیت کی بناء پر ہے اور عقبہ بن ابی معیط سے بھی اس بات کی

وہ بدر کے گڑھے میں کھینچ کر ڈالدیئے گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بدر کے گڑھے والوں کے ساتھ لعنت لگادی گئی ہے[1]۔ (متفق علیہ)

صاحب مرقات نے کہا اگر یہ سوال کیا جائے کہ آپ نے پشت پر نجاست ہوتے ہوئے کس طرح نماز جاری رکھی، تو ہم جواب میں کہتے ہیں کہ ان کافروں کی یہ حرکت گوبر، خون اور مشرکین کا ذبیحہ حرام ہونے سے پہلے کی ہے اس سے نماز باطل نہیں ہوتی تھی جیسے شراب تھی حرام ہونے سے پہلے، وہ کپڑے کو لگ جاتی تھی تو نماز نہیں ٹوٹتی تھی۔ (مرقات)

505/7047 حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ کیا آپ پر ایسا کوئی دن آیا جو احد کے دن سے بھی زیادہ سخت تھا؟ تو آپ نے فرمایا: میں تمہاری قوم سے مصیبتیں جھیلا ہوں[2] اور سب سے سخت مصیبت جو مجھے ان سے پہنچی وہ عقبہ کا دن ہے جب کہ میں

دلیل ملتی ہے کہ وہ جنگ بدر سے واپس آنے کے بعد قتل کیا گیا۔ اور امیہ بن خلف کو گڑھے میں نہیں ڈالا گیا بلکہ وہ ویسے ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو چارہا تھا جو گڑھے میں دبادیا گیا۔ (مرقات)

1 **واتبع اصحاب القليب لعنة** (قلیب بدر میں ڈالے گئے لوگوں کے پیچھے لعنت لگادی گئی) علامہ عسقلانی نے کہا جملہ "ان پر لعنت ڈال دی گئی" یہ پہلے آپ نے جو بددعا کی تھی اسی کا تتمہ ہے تو اس میں نبوت کی عظیم علامتوں میں سے ایک علامت ہے اور اس بات کا بھی احتمال ہے ان کو گڑھے میں ڈال دینے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ ان پر لعنت ڈال دی گئی۔ (مرقات)

2 **قوله: لقد لقيت من قومك** (میں تمہاری قوم سے مصیبتیں جھیلا ہوں) یعنی مجھے جنگ احد کے دن سے زیادہ سخت مصیبت پہنچی ہے یا مجھے وہ مصیبت پہنچی جو پہنچی مفعول حذف کردیا گیا تا کہ خیال ہر قسم کی مصیبت کی طرف جائے۔

ابن عبد یالیل بن کلال پر اپنے آپ کو پیش کیا تو میں نے جو چاہا اس کو وہ قبول نہیں کیا تو میں فکر مند ہو کر اپنے رخ پر چلتا رہا اور میں نشاط میں نہیں آیا مگر مقام قرن الثعالب میں اور میں نے اپنا سر بلند کیا تو اچانک ابر دیکھا جو مجھ پر سایہ کیا ہوا تھا، اور اس میں جبرئیل تھے اور انہوں نے مجھے آواز دی اور کہا اللہ نے آپ کی قوم کی بات اور آپ کو اس نے جو جواب دیا اس کو سنا اور آپ کی خدمت میں پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے تاکہ آپ ان لوگوں کے بارے میں جو چاہیں حکم فرمائیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پہاڑوں کے فرشتوں نے آواز دی اور مجھے سلام کیا: پھر عرض کیا: اے محمد! اللہ نے آپ کی قوم کی باتوں کو سن لیا اور میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں، آپ کے رب نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ آپ مجھے اپنا حکم سنائیں، اگر آپ چاہیں تو میں ان پر دوسخت پہاڑوں کو

وقوله وكان اشد ما لقيت منهم يوم العقبة. ایک شارح نے کہا "اشد" زبر کے ساتھ کان کی خبر ہے، اور "ما لقيت منهم" حالت رفعی میں ہے یہ کان کا اسم ہے اور **يوم العقبه** مفعول فیہ ہے اور اس کی تقدیری عبارت یوں ہے: **وكان ما لقيته منه يوم العقبة اشد مما لقيته منهم في سائر الايام.** میں جو مصیبت تمام دنوں میں ان سے جھیلا ہوں اس سے بڑھ کر شدید مصیبت ان سے عقبہ کے دن پہنچی ہے۔ عقبہ سے مراد وہ مقام ہے جس کی طرف جمرہ کی نسبت کرکے جمرۃ العقبہ کہا جاتا ہے۔

قوله : ابن عبد یالیل یہ طائف کے بڑے لوگوں میں سے تھا۔ **وقوله فانطلقت وانا مهموم.** میں چلا حالانکہ میں فکر مند تھا۔ یہ جملہ حالیہ ہے اور فعل اور اس کے متعلق **علی وجهی** کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ میں اپنے رخ پر فکر مند حالت میں چلا۔ علامہ طیبی نے فرمایا: یعنی میں حیران و پریشان چلتا رہا، شدت غم اور مصیبت کی سختی کی وجہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کدھر جا رہا ہوں۔ **قوله قرن الثعاليب.** مکہ اور طائف کے درمیان ایک پہاڑ کا نام ہے۔ **وقوله قد**

ملادوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں بلکہ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ ان کی پشتوں سے ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو اللہ وحدہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ (متفق علیہ)

506/7048 حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک جنگ احد میں شہید کردیا گیا اور آپ کے سر مبارک کو زخمی کردیا گیا تو آپ اس سے خون پونچھتے جاتے اور فرماتے وہ قوم کیسے کامیاب ہوگی جس نے اپنے نبی کے سر کو زخمی کردیا اور ان کے دانت کو شہید کردیا۔ (مسلم)

اظلتنی (مجھ پر برابر سایہ فگن تھا) یعنی معمول سے زائد مجھ پر سایہ فگن تھا۔

وقولہ : بل (نہیں بلکہ) یعنی میں ان کے لئے یہ عذاب نہیں چاہتا اگرچیکہ وہ اپنے کفر کی وجہ سے اس کے مستحق ہوگئے ہوں۔ بلکہ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ ان کی پشتوں سے اللہ وحدہ کی عبادت کرنے والے لوگ پیدا کریگا۔ (مرقات)

1 **قولہ : رباعیۃ** راء کو زبر کے ساتھ اور باء بغیر تشدید کے، یہ ثمانیہ کے وزن پر ہے، رباعیہ وہ دانت ہیں جو ثنیہ اور کوچلی کے درمیان ہوتے ہیں اور جو شہید کیا گیا وہ نیچے کے سیدھے جانب کا دانت ہے۔ **"قولہ یسلت"** لام کو پیش ہے، دور کرتے تھے، امام زہری سے روایت ہے کہ جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر تلوار کے ستر وار کئے گئے اللہ تعالیٰ ان سب کے شر سے آپ کی حفاظت فرمایا۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کے حاشیہ میں اس کی وجہ تحریر فرمائی: ہوسکتا ہے اس کی وجہ جنگ احد کے ستر شہداء کے ساتھ آپ کے لئے شرکت ہو مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی اور آپ کو بچایا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **"واللہ یعصمک من الناس"** اللہ تعالیٰ لوگوں سے آپ کی حفاظت فرماتا ہے۔ اور یہ جو سر مبارک کے زخمی ہونے اور دندان مبارک شہید کئے جانے کا کچھ اثر ہوا وہ اجر و ثواب کے لئے ہوا ہے۔ (مرقات)

507/7049 ﷺ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا غضب شدید ہوگیا اس قوم پر جس نے اپنے نبی کے ساتھ ایسا کام کیا، آپ اپنی چوکڑی کی طرف اشارہ فرمارہے تھے[1]۔ اللہ کا غضب شدید ہوگیا اس شخص پر جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے راستہ میں قتل کردیں۔ (متفق علیہ)

1ﷺ **قولہ : یشیر الی رباعیتہ** (آپ اپنی چوکڑی کی طرف اشارہ فرمارہے تھے) ترکیب میں یہ "**رسول اللہ**" سے حال واقع ہے اور اس کا عامل قال ہے اور یہ جملہ فعلوا کے مفعول کی تفسیر ہے اس کو یاد رکھو۔

وقولہ : اشد غضب اللہ علی رجل الخ (اللہ کا غضب سخت ہوگیا ایسے شخص پر جس کو اللہ کے راستہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل کردیں) دو جملوں کے درمیان حرف عطف کو حذف کردیا گیا یہ بتانے کے لئے کہ یہ دو مستقل حدیثیں ہیں، راوی نے دو کو ایک جگہ جمع کردیا ہے۔ لفظ **اشتد غضب اللہ** کی تکرار سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ یا یہ بتلانے کے لئے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک مذکورہ عذاب کا مستحق ہے اور اس میں اس شبہ کو دور کرنا مقصود ہے کہ یہ عذاب دونوں کے درمیان مشترک ہے۔ اور یہاں لفظ **او** بھی نہیں لایا گیا تاکہ شک کا گمان نہ ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو قتل فرمایا وہ ابی بن خلف ہے۔ اور امام نووی نے فرمایا: فی سبیل اللہ کی قید سے وہ لوگ نکل جاتے ہیں جنہیں حد جاری کرنے کے لئے یا قصاص کے طور پر قتل کیا ہو۔ کیونکہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے راستہ میں قتل کرتے ہیں وہ ایسا شخص ہوتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ (مرقات)

باب بعثت اور وحی کی ابتداء کا بیان ختم ہوا

21/154 باب علامات النبوة

نبوت کی علامتوں کا بیان

508/7050 حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جبریل (علیہ السلام) آئے اور آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے وہ آپ کو پکڑے اور لٹادیئے اور آپ کے دل کو چاک کیا اس میں سے ایک خون کا ٹکڑا نکال دیا[1] اور فرمایا یہ آپ میں شیطان کا حصہ تھا، پھر دل کو زمزم کے پانی سے سونے کے ایک طشت میں غسل دیئے، پھر اس کو

---

1 علقة. (خون کا ٹکڑا) ع اور ل کو زبر (فتحہ) ہے، جما ہوا خون اور یہ دل میں خرابیوں اور گناہوں کی جڑ ہوتا ہے، اور شق صدر کے عمل سے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس عمل کی وجہ سے آپ مقدس اور منور قلب والے ہوگئے اب وہ وحی الٰہی کو قبول کرنے کے لئے مستعد ہوگیا نفس کے خیالات اس کی طرف آنہیں سکتے اور اس کو غفلت میں ڈالنے کی شیطان کی طمع اور کوشش کو ختم کردیا گیا اور جبریل علیہ السلام کے ارشاد "هذا حظ الشيطان منك یہ شیطان کا حصہ تھا" اس میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ (ماخوذ از مرقات)

2 قوله : بماء زمزم (زمزم کے پانی سے غسل دیا گیا) اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ زمزم کا پانی دنیا کے پانیوں میں سب سے افضل ہے حتی کہ کوثر کے پانی سے بھی افضل ہے لیکن وہ مبارک پانی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انگشتہائے مبارک سے پھوٹ نکلا ہے کوئی شک نہیں کہ وہ علی الاطلاق تمام پانیوں سے افضل ہے، کیونکہ وہ آپ کے دست کرم کی برکت سے ہے اور زمزم کا پانی سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کے قدم مبارک کا اثر ہے۔ اور دونوں کے درمیان کھلا فرق ہے اور اس لئے آپ کے دست مبارک سے ظاہر ہونے والا اعجاز بہت بڑا ہے، اور ہاں! آپ کے دہان مبارک کا پانی اگر چیکہ اس میں کسی دوسرے کا پانی بھی مل جائے تب بھی وہ ہر چیز سے زیادہ کمال والا ہے۔ (مرقات)

ٹھیک کیا[1] اور اس کی جگہ پر اس کو لوٹا دیا گیا۔ آپ کی ماں کی دائی کے پاس بچے دوڑے ہوئے آئے اور کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل کردیئے گئے، تو لوگ تیزی سے آپ کے پاس آئے آپ کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ حضرت انس نے کہا میں آپ کے سینہ مبارک میں سوئی کا نشان دیکھتا تھا[2]۔ (مسلم)

ملا علی قاری نے فرمایا: **قولہ فی طست من ذھب** (سونے کے طشت میں غسل دیا گیا) یہ عمل شریعت مطہرہ میں سونے کا استعمال حرام ہونے کے منافی نہیں ہے یا تو اس لئے کہ فرشتے ہمارے اعمال کے مکلف نہیں

---

1) **قولہ : لأمہ.** (اسے ٹھیک کیا) **لأم** میں لام اور ہمزہ ہے یعنی چاک کردہ مقام کو ٹھیک کردیا اور **اعادہ** میں ضمیر منصوب کا مرجع **قلب** ہے جو دل نکالا گیا تھا اسے اسکی جگہ لوٹا دیا اور یہ بات صحیح بخاری کی سابق روایت سے معلوم ہوتی ہے اور **واعادہ** میں "و" مطلق جمع کے لئے ہے اب اس میں کوئی اشکال نہیں رہا، یعنی دل کو اسکی جگہ لوٹا دینے کے بعد اسکو سی دیا گیا۔

وقولہ : قد قتل. (قتل کردیئے گئے) کیونکہ پیٹ کے چیرنے اور اس کا کام کرنے کے بعد باحیات رہنا معجزات اور علامات نبوت میں سے ہے۔

(یہ حدیث شریف اور اس جیسی مثالوں کو تسلیم کرلینا ضروری ہے اور اسکے مجازی معنی لینے کی تاویل کے درپے نہیں ہونا چاہئے اور اسکی تاویل کی ضرورت اس لئے بھی نہیں ہے کیونکہ یہ صادق مصدوق رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ وصحبہ وسلم کی دی ہوئی اطلاع ہے جو قادر مطلق کی قدرت سے متعلق ہے۔

وقولہ : منتقع اللون (رنگ بدلا ہوا تھا) علامہ توربشتی نے فرمایا **انتقع لونہ** اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی غم یا فکر سے رنگ بدل جاتا ہے۔ (مرقات)

2) **قولہ : فکنت أری اثر المخیط فی صدرہ** (میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک میں سینے کا نشان دیکھتا تھا) اس سے مراد یہ ہے کہ سینہ مبارک کا چاک کیا جانا محسوس طریقہ پر ہوا ہے یہ کوئی امر معنوی نہیں ہے۔

اور اب اس میں اختلاف ہے کہ سینہ مبارک کا چاک کیا جانا اور اس کو غسل دینا کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مختص تھا یا دوسرے انبیا علیہم السلام کے لئے بھی واقعی ہوا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر متعدد مرتبہ رونما ہوا ہے (۱) حضرت دائی حلیمہ کے پاس (۲) پھر غار حرا میں حضرت جبریل علیہ السلام کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مناجات

ہیں یا اس لئے کہ یہ عمل احکام شریعت کے قرار پانے سے پہلے کا ہے۔

509/7051 حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں چاند دو ٹکڑوں میں شق ہو گیا ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر اور ایک ٹکڑا اس کے نیچے

کے موقع پر (۳) پھر معراج میں یعنی جس رات آپ کو معراج میں لے جایا گیا۔

وقوله : المخیط (سوئی کا نشان) میم کو زیر کے ساتھ مخیط سوئی کو کہتے ہیں۔(مرقات)

1 **قولہ : انشق القمر.** (چاند شق ہو گیا) امام زجاج نے فرمایا کہ اہل علم کے مسلک سے اور راہ اعتدال سے منحرف ایک جماعت نے گمان کیا ہے کہ چاند کا شق ہونا قیامت کے دن ہوگا حالانکہ یہ ایک واضح عمل ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وان یروآیتہ یعرضوا.** اگر وہ نشانی دیکھتے ہیں تو منہ موڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ ایک چلے آنے والا جادو ہے۔ تو یہ قیامت کے دن ہوگا کہنا کیسے درست ہے۔ اور اس کو مستمر جادو کہنا یہ بھی اور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے اس سے پہلے اس جیسی دوسری نشانیاں اور سابق میں معجزات دیکھے ہیں۔

اور امام فخر الدین رازی نے فرمایا اس کے منکرین اس لئے انکار کرتے ہیں کہ چاند کا شق ہونا ایک عظیم معاملہ ہے اگر یہ واقع ہوتا تو یقیناً تمام دنیا میں پھیل جاتا اور حد تواتر تک پہنچ جاتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے موافقین اسکو اسقدر نقل کئے ہیں کہ حد تواتر کو پہنچ گیا اور مخالفین نے اسکو نظر انداز کیا یا اسکو چاند گہن کی طرح سمجھا، اور قرآن مجید سب سے بڑی دلیل اور قوی گواہ ہے اور چاند کا شق ہونا عقلاً ممکن ہے، اور رسول صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے تو اس کے وقوع پذیر ہونے کا اعتقاد رکھنا واجب ہے۔ اور اب رہا شق ہونے اور اس کا پھر مل جانے کا انکار کرنا تو یہ کم ظرفوں کی بات ہے۔

(امام نووی کی شرح) صحیح مسلم میں ہے علماء نے کہا چاند کا یہ شق ہونا رات میں ہوا اور اکثر لوگ سو رہے تھے اور غفلت میں تھے اور دروازے بند تھے اور کپڑا اوڑھے ہوئے سو رہے تھے اور کم لوگ تھے جو آسمان میں غور کرتے اور آسمان کو دیکھ رہے تھے، اور کتاب شرح السنہ میں ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان کے مطابق ایک خاص جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مطالبہ کی تھی تو آپ نے رات میں ان کو یہ معجزہ دکھایا جبکہ اکثر انسان سو رہے تھے اور جنگل

ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم گواہ رہو!۔(متفق علیہ)

510/7052 حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ایک نشانی دکھائیں[1] تو آپ نے ان کو دکھایا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا یہاں تک کہ جبل حراء ان دونوں کے درمیان ہو گیا۔(متفق علیہ)

وصحراء میں رہنے والے بھی اپنے مکانات میں تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس وقت مصروف رہے ہوں اور کبھی چاند گہن ہوتا اور بہت دیر تک بھی رہتا ہے مگر بہت سے انسانوں کو اس کا علم تک نہیں ہوتا، اور یہ چاند کا شق ہونا آنکھ کی نظر کے محض ایک لحظہ کے لئے تھا، اور اگر یہ طویل وقت کے لئے ہوتا یہاں تک کہ خاص وعام سب اسکو دیکھ لیتے پھر ایمان نہ لاتے تو وہ سب ہلاکت کے مستحق ہو جاتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت رہی ہے سابقہ اُمتوں میں ان کے نبی جب ان کو ایک ایسا عام معجزہ دکھاتے جس کو وہ سب دیکھتے اور ایمان نہ لاتے تو ہلاک کر دیئے جاتے تھے، جیسا کہ سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اس (مائدہ کے معجزہ) کو تم پر اتاروں گا اس کے بعد تم میں سے جو کوئی کفر کریگا تو اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ سارے جہانوں میں ویسا عذاب کسی کو نہیں دونگا''۔ اسی حکمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے عام انسانوں کے لئے یہ معجزہ ظاہر نہیں کیا۔(اور اللہ تعالیٰ بہتر جاننے والا ہے)۔

قلت۔ میں کہتا ہوں اس واقعہ میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے کیونکہ ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر اور دوسرا پہاڑ کے نیچے ہو گیا تو ظاہر ہے کہ پہاڑ کے پیچھے رہنے والے بعض لوگوں سے وہ تو چھپ جائیگا۔ پھر تو سارے اہل حجاز اور دوسرے تمام انسانوں کو جب کہ ان کے مطالعہ میں بھی اختلاف ہے کیسے نظر آئیگا، نیز اس معجزہ کا دکھانا ان لوگوں کے لئے تھا جنہوں نے اس کا مطالبہ کیا تھا۔ جیسا کہ صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا معجزہ تھا دوسروں کے لئے اس کا دکھائی دینا لازم نہیں ہوتا۔

قولہ : اشھدوا (یعنی گواہ رہو) میری نبوت پر۔(مرقات)

1 **قولہ : آیۃ۔** یعنی آپ کی نبوت کی کوئی نشانی دکھائیں۔

511/7053 حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے آپ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں مکہ میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری بعثت سے پہلے مجھ کو سلام کیا کرتا تھا[1] یقیناً میں اس کو اب بھی پہچانتا ہوں ۔ (مسلم)

512/7054 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ ابوجہل نے کہا کیا تمہارے درمیان محمد اپنا چہرہ مٹی پر رکھتے (نماز پڑھتے، سجدہ کرتے) ہیں، تو کہا گیا ہاں! تو اس نے کہا لات وعزیٰ کی قسم اگر میں آپ کو یہ کرتا دیکھوں گا تو آپ کی گردن کو روندوں گا، پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ نماز پڑھ رہے تھے آپ کی گردن روندنے کا ارادہ کیا تو اس کو اچانک یہ بات گھبراہٹ میں ڈال دی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اپنی دونوں ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹنے لگا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے بچاؤ کر رہا تھا، تو اس سے کہا گیا تجھے کیا ہو گیا تھا، تو اس نے کہا میرے اور انکے درمیان آگ کی خندق تھی اور ایک ہولناک چیز اور پَر تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کا ایک ایک عضو اچک لیتے ۔ (مسلم)

---

1 قوله : كان يسلم علي۔ (مجھ کو سلام کیا کرتا تھا) یعنی جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے: وہ السلام عليك يا نبي الله کہتا تھا، اور اس میں اشارہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق کی طرف بھیجے گئے ہیں ۔ (مرقات)

2 قوله : هل يعفر محمد وجهه۔ يعفر ف کو تشدید اور زیر ہے باب تفعیل سے ہے، مٹی میں لوٹ پوٹ کرنے کو کہتے ہیں یعنی کیا آپ نماز پڑھتے اور مٹی پر سجدہ کرتے ہیں اور علامہ طیبی نے فرمایا اس کی مراد اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ کرنا ہے۔ لفظ سجدہ کے بجائے اس نے تعفير کا لفظ اپنی سرکشی و دشمنی کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ

513/7055 حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: اس اثناء میں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا اچانک ایک شخص آیا اور آپ کی خدمت میں فاقہ کی شکایت کی پھر ایک دوسرا شخص آیا اور آپ کی خدمت میں راستے لوٹنے کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا اے عدی کیا تو نے حیرہ کو دیکھا ہے[1] اگر تجھ کو طویل حیات مل جائے حیرہ سے سفر کرتی ہوئی تو ایک بوڑھیا کو دیکھے گا یہاں تک کہ وہ کعبۃ اللہ کا طواف کرے گی وہ اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں کرے گی اور اگر تمہاری حیات طویل ہو تو تم کسریٰ کے خزانے فتح کرلوگے اور اگر تمہاری حیات

وسلم کی تنقیص شان اور تحقیر کی غرض سے۔ **وقوله: بين اظهركم** (تمہارے درمیان) لفظ **اظہر** زائد ہے یا اس میں کام کے کھلے طور پر ہونے کا اشارہ ہے۔ وقولہ: فاتی رسول اللہ ﷺ (یعنی ابوجہل رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا)۔

وقوله : وهو يصلي. (اور آپ نماز پڑھ رہے تھے) یہ جملہ مفعول سے حال ہے۔ اور **زعم** فاعل سے حال ہے **زعم** کے معنی **قصد** ہے یعنی ابوجہل ارادہ کیا۔ **قوله فما فجئهم** یعنی ابوجہل اپنی قوم کو اچانک گھبراہٹ میں ڈال دیا۔

وقوله : منه. یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (ہ ضمیر کا مرجع نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں)

قوله : اجنحة. (پر) جناح کی جمع اور اڑنے والے کے ہیں، یعنی فرشتے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کررہے تھے

قوله : لا ختطفته الملائكة عضوا عضوا. اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر فرشتہ اس کے اعضاء میں سے ایک ایک عضو کو اچک لیتا۔ (مرقات)

1 **قوله : الحيرة.** ح کو زیر کے ساتھ، کوفہ کے بالائی جانب قدیم شہر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ عدی نے جواب میں یہ کہا تھا کہ میں اسکو نہیں دیکھا لیکن اس کے بارے میں مجھے بتایا گیا ہے۔ تو میں اس کے جواب میں کہتا ہوں: ممکن ہے یہاں لفظ **رأيت علمت** (میں جانتا ہوں) کے معنی میں ہے، اور حضور کا ارشاد ان کے جواب پر موقوف نہ ہو، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور اگر تمہاری حیات طویل ہو۔

وقوله : الظعينة. (بوڑھیا) ایک شارح نے کہا: عورت جب تک کجاوہ میں ہوتی ہے اسکو ظعینہ کہتے ہیں اور جب وہ ہودج

طویل ہوتو ضرور دیکھو گے ایک شخص ہتیلی بھر سونا چاندی لے کر اس کو قبول کرنے والے کو تلاش کرتے ہوئے نکلے گا تو وہ کسی ایسے شخص کو جو اس سے اس کو قبول کرے پائیگا۔ تم میں سے کوئی بھی جس دن اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو وہ ایسی حالت میں ملاقات کرے گا کہ خدائے تعالیٰ اور اس کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا جو اس کے لئے ترجمانی کرتا ہو۔ تو وہ فرمائیگا: کیا میں نے تیری طرف ایک رسول مبعوث نہیں کیا کہ وہ تجھ کو پیغام حق پہنچائے تو وہ کہے گا ہاں کیوں نہیں اور فرمائیگا کیا میں تجھ کو مال نہیں عطا کیا تھا اور تیرے ساتھ احسان نہیں کیا تھا وہ کہے گا ہاں کیوں نہیں اور وہ اپنی سیدھی جانب دیکھے گا تو دوزخ کے سوا کچھ نہیں دیکھے گا اور اپنی بائیں جانب دیکھے گا تو دوزخ کے سوا

یعنی کجاوہ میں نہیں ہوتی تو اس کو ظعینہ نہیں کہتے ،لیکن یہاں ظعینہ سے مراد مطلق عورت ہے خواہ ہودج میں ہو یا نہ ہو۔ میں کہتا ہوں یہاں مراد اس کے ہودج میں ہونے کے معنی ہی زیادہ مناسب مطلب ہیں اور یہ بات لفظ ترتحل سے مفہوم ہوتی ہے۔

وقولہ : من ذھب او فضة یعنی سونا چاندی میں سے کبھی اس کو لے کر اور کبھی اُس کو لے کر سفر کرے گی۔ ہوسکتا ہے لفظ "او" "واو" کے معنی میں ہو یا راوی کا شک۔

وقولہ : فلا یجد من یقبلہ منہ. کوئی بھی ایسا نہیں ملے گا جو اس سے اسکو قبول کرے۔ یہ اس لئے کہ اس زمانہ میں تنگدست نہیں رہیں گے، یا اس لئے کہ ان کے دلوں میں بے نیازی رہے گی اور ان کے پاس جو کچھ ہے اس پر اکتفاء کریں گے اور ان کے پاس جو کچھ ہے اس پر قناعت کریں گے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے (آسمان سے) اتر کر آنے کے بعد ہوگا، اور ممکن ہے اس میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانہ کی طرف اشارہ ہے کہ ان زمانہ میں اس حدیث شریف کے مطابق ایسا واقعہ ہوا ہے اور امام بیہقی نے اسی بات کو تقویت دی ہے۔

اور میں کہتا ہوں اس معنی کے قابل ترجیح ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ حدیث شریف میں حضور کا ارشاد ہے **ولئن طالت بك حياة** اور اگر تمہاری حیات طویل ہو (تو تم دیکھو گے) البتہ قضیہ شرطیہ کا رونما ضروری نہیں ہے۔

کچھ نہیں دیکھے گا، تم دوزخ سے بچو! اگر چیکہ آدھے کھجور سے ہو، اور جو شخص یہ نہ پائے تو ایک اچھی بات کے ذریعہ دوزخ سے بچے۔

عدی نے کہا میں بوڑھی کو حیرہ سے سفر کرتے ہوئے دیکھا یہاں تک کہ اس نے کعبۃ اللہ کا طواف کیا، وہ اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں کھاتی تھی اور میں ان حضرات میں سے ہوں جنہوں نے کسریٰ بن ہرمز کے خزانے کھولے اور اگر تمہاری زندگی طویل ہو جائے تو تم اس چیز کو ضرور دیکھو گے جو ابوالقاسم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہتھیلی بھر (سونا چاندی) لیکر نکلے گا''۔ (بخاری)

وقولہ : افضل لام کو جزم ہے اور افضال باب افعال سے ہے، یعنی کیا میں تیرے ساتھ احسان نہیں کیا تھا اور کیا میں تجھ کو نعمتوں سے سرفراز نہیں کیا۔ یہ استفہام تقریری ہے یعنی میں تجھ کو مال عطا کیا تھا اور تجھ کو نعمتوں سے سرفراز کیا تھا۔

وقولہ فمن لم یجد فبکلمۃ طیبۃ. یعنی کلمہ طیبہ سے مراد (مختلف قسم کے اذکار اور دعائیں ہیں یا سائل کیلئے کوئی ایک اچھی بات مراد ہے۔ اور اس کے ماقبل کی عبارت اس کیلئے قرینہ ہے اس لئے اس سے مراد وہ وعدہ ہے جو پورا کرنے کی نیت سے کیا جاتا ہے یا نیک امید رکھ کر دعا کرنا مراد ہے۔ اسی کا نام اللہ تعالیٰ نے قول معروف اور قول میسور رکھا ہے۔

علامہ طیبی نے فرمایا اگر تم یہ پوچھو کہ اس حدیث شریف کو بیان کرنے میں کیا مناسبت ہے تو میں کہوں گا جب وہ شخص فاقہ اور خوف کی شکایت کیا اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد "**ان مع العسر یسرا**" میں اسی تنگدستی اور مشکل کا ذکر ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم ممالک فتح ہونے سے پہلے ایسی ہی تنگدستی کی حالت میں تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدی اور دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو **یُسر** وخوشحالی اور امن وسلامتی کی خوشخبری دینے کے ضمن میں سائل کا بھی جواب دیدیا اور پھر بیان فرمایا کہ یہ دنیا کی خوشحالی اور مالداری آخرت میں مشکل اور شرمندگی ہو سکتی ہے سوائے اس آدمی کے جس کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے کی توفیق عطا ہو۔

وقولہ: فرأیت الظعینۃ (تو میں بڑھیا کو دیکھا) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔

وقولہ یخرج ملأ کفہ (ہتھیلی بھر) سونا یا چاندی) لیکر نکلے گا) یہ بدل یا بیان ہے۔ (ماخوذ از مرقات)

514/7056 ﴿ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت پیش کی اور آپ کعبۃ اللہ کے سایہ میں چادر کو تکیہ بنائے ہوئے تھے اور ہم کو مشرکین سے سختیاں پہونچی تھیں، اور ہم عرض کئے: کیا آپ اللہ سے دعا نہیں فرمائیں گے؟ تو آپ بیٹھ گئے اور آپ کا چہرۂ انور سرخ ہوگیا، آپ نے فرمایا: تم سے پہلے والوں میں سے کسی بھی شخص کے لئے زمین میں گڑھا کھودا جاتا اور اس کو اس میں اتارا جاتا اور آرا لایا جاتا اور اس کے سر پر رکھا جاتا اور اسکو دو حصوں میں چیر دیا جاتا اور اسکو یہ چیز اس کے دین سے نہیں ہٹاتی تھی اور اس کے گوشت کے اندر ہڈی اور پٹھوں تک لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتی تو بھی یہ چیز اسکو اس کے دین سے نہیں ہٹاتی تھیں اور اللہ کی قسم یہ معاملہ پورا ہو کر رہیگا یہاں تک کہ شہر صنعاء سے حضر موت تک ایک سوار جائیگا اس کو اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہوگا اور اپنی بکریوں پر بھیڑیے کا بھی خوف نہیں ہوگا اور لیکن تم جلدی چاہتے ہو۔ (بخاری)

1﴾ **قولہ : متوسد بردۃ** (آپ چادر کو بلند بنائے ہوئے تھے) دھاری دار کمبل مطلب یہ ہے کہ آپ کمبل کو اپنا تکیہ بنالئے تھے، **وسادۃ** کا لفظ **توسد الشی،** سے ماخوذ ہے (اس نے اپنے سر کے نیچے اسکو تکیہ بنالیا) (مرقات)

2﴾ **قولہ : ما دون لحمہ** (اس کے گوشت کے اندر) یعنی اس شخص کے گوشت کے نیچے جو ہڈی اور رگ پٹھے ہیں اور لفظ من بیانیہ ہے یہ لفظ "ما" کا بیان ہے اور اس میں مبالغہ ہے کہ وہ لوہے کی کنگھیاں اسقدر مضبوط اور تیز ہوتی تھیں کہ گوشت کے نیچے ہڈی اور اس سے متصل رگ پٹھوں تک اتر جاتی تھیں۔

وقولہ: الی حضر موت (حضر موت) "حضر موت" میں میم کو زبر ہے اور یمن کے آخری حصہ میں ایک مقام ہے اور یہ ترکیب اور علمیت دو سبب ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے، ایک شارح نے ذکر کیا ہے کہ اس مقام میں حضرت صالح علیہ السلام تشریف لائے تھے اور وہیں انتقال فرمائے، یا حضرت جرجیس آئے اور ان کا وہیں انتقال ہوگیا اور

515/7057 ﴿﴾ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ علیہ وسلم ام حرام بنت ملحان کے پاس تشریف لے جاتے اور یہ حضرت عبادہ بن صامت کی اہلیہ تھیں چنانچہ آپ ایک دن ان کے پاس تشریف لائے تو وہ آپ کے لئے کھانے کا اہتمام کیں پھر وہ آپ کے سر مبارک میں تیل لگاتی ہوئی بیٹھ گئیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمائے پھر مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے وہ کہتی ہیں میں عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا چیز آپ کے مسکرانے کا سبب بنی ہے آپ نے فرمایا:

علامہ ابن ملک نے بھی یہی بات بیان کی ہے، اور قاموس میں ہے **حضر موت** میم کو پیش ہے اور وہ ایک شہر اور ایک قبیلہ ہے۔

وقولہ : لا یخاف الا اللہ أو الذئب الخ. (اس کو اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہوگا اور نہ بھیڑیے کا...) ایک دوسرے نسخہ میں واو کے ساتھ (والذئب) ہے اور اسمیں "واؤ" لفظ "او" کے معنی میں ہونے کا احتمال ہے، یا "او" لفظ "وٗ" کے معنی میں جمع کیلئے ہو یا شک کا ہو بہر حال اس میں امن قائم ہونے اور خوف کے جاتے رہنے میں مبالغہ مقصود ہے (یعنی یہ ہو کر رہے گا) اس سے یہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے کہ یہ حدیث شریف زمانہ جاہلیت کی طرح ایک انسان کا دوسرے انسان پر ظلم سے حصول امن کے بیان کے لئے ہے، بھیڑیے کے ظلم و زیادتی کے بیان کے لئے نہیں ہے کیونکہ یہ آخری زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت ہوگا۔ (ماخوذ از مرقات)

﴿1﴾ **قولہ : ام حرام بنت ملحان.** میم کو زیر (کسرہ) ملحان ابن خالد ہیں اور یہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبی خالہ ہیں یہ اور ام سلیم جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ہیں دونوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی اور نسبی خالائیں ہیں اور امام نووی فرماتے ہیں: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ام حرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے محرم تھیں البتہ اسکی کیفیت میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن عبدالبر اور دیگر علماء فرماتے ہیں ان میں سے ایک خالہ رضاعی تھیں اور آپ کی والدہ قبیلہ بنی نجار کی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کے پاس تشریف لانے کی وجہ ان کی بہن ام سلیم کی حدیث شریف میں مزید تحقیق کے ساتھ گزر چکا ہے اسکو یاد رکھو!۔ (مرقات)

میری امت کے کچھ لوگ اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہوئے پیش کئے گئے جو درمیان سمندر میں شاہی تختوں پر بیٹھے ہوئے یا شاہی تختوں پر بادشاہوں کی طرح بیٹھے ہوئے سواری کررہے تھے، تو میں عرض کی یارسول اللہ آپ اللہ سے دعا فرمایئے کہ وہ مجھ کو ان میں سے کردے تو آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی پھر اپنا سر مبارک رکھا اور آرام فرمائے پھر آپ بیدار ہوئے اور آپ مسکرارہے تھے تو میں عرض کی یارسول اللہ کیا چیز آپ کے مسکرانے کا سبب بنی تو آپ نے فرمایا میری امت کے کچھ لوگ اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے مجھ پر پیش کئے گئے جیسا کہ آپ نے پہلی صورت میں فرمایا تھا تو میں عرض کی یارسول اللہ آپ اللہ سے دعا فرمایئے کہ وہ مجھے ان میں سے کردے تو آپ نے فرمایا تم پہلے لوگوں میں سے ہو، پس ام حرام حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانہ میں سمندر کا سفر کیں اور

قوله : یرکبون ثبج هذا البحر. (درمیان سمندر میں سواری کررہے تھے) ثاء اور باء کو زبر ہے اور آخر میں جیم ہے، اس کے معنی درمیان اور عظیم اور اکثر حصہ ہے۔

وقوله : ملوکا علی الاسرة ومثل الملوك علی الاسرة (شاہی تختوں پر بیٹھے ہوئے شاہی تختوں پر بادشاہوں کی طرح ظاہر ہے اس میں لفظ ''او'' راوی کے شک کے لئے ہے۔ اور ترکیب میں حال ہے یا مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی وہ بادشاہوں کی طرح تختوں پر بیٹھے ہوئے یا تختوں پر بادشاہوں کے سوار ہونے کی طرح سوار ہوکر۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں سمندر کے درمیانی حصہ کو زمین سے تشبیہ دی گئی اور کشتی کو تخت سے تشبیہ دی گئی اور اس پر بیٹھنے کو بادشاہوں کے شاہی تختوں پر بیٹھنے سے تشبیہ دی گئی اس میں اس امر کا اعلان ہے کہ وہ حضرات ہر قسم کی مشقت برداشت کریں گے۔ اور پورے جوش وخروش کے ساتھ بادشاہوں کی طرح جو اپنے شاہی تختوں پر بیٹھے ہوتے ہیں اس امر عظیم کی سواری کریں گے۔ (مرقات)

1 **قوله : فیی زمن معاویة الخ** (حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے گورنری کے زمانہ میں) جنگ قبرص حضرت سیدنا

جب سمندر سے نکلیں تو اپنے گھوڑے سے گر گئیں اور انتقال کر گئیں۔(متفق علیہ)

516/7058 ﴿حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے ضماد نامی شخص جو ازدشنوۃ قبیلہ[1] کا تھا مکہ کو آیا اور وہ جنات کے اثر کی جھاڑ پھونک کرتا تھا، وہ اہل مکہ سے جو کم عقل تھے کہتے ہوئے سنا کہ محمد (ﷺ) مجنون ہیں تو اس نے کہا اگر میں ان صاحب کو دیکھ لوں تو ہوسکتا ہے اللہ تعالی میرے ہاتھ پر ان کو شفا دے، راوی کہتے ہیں وہ آپ سے ملاقات کیا اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اس جنات کے اثر کی جھاڑ پھونک کرتا ہوں کیا آپ کو اس میں رغبت ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے دور گورنری 28ھ اٹھائیس ہجری جنگ قبرص میں یہ واقعہ ہوا اور اکثر علماء اور اہل سیر کا قول یہی ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے، سابق میں ذکر کردہ قول "یہ واقعہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں واقع ہوا ہے" ان دونوں اقوال میں کوئی منافات نہیں ہے۔(ماخوذ از مرقات ولمعات)

1﴾ **قولہ : اذد شنوءۃ.** "ش" کو زبر "ن" کو پیش "و" کو جزم اور آخر میں ہمزہ پھر ھاء ہے، یہ یمن کا ایک بڑا قبیلہ ہے اور ازد قبیلہ اسی کی ایک شاخ ہے۔

وقولہ : من ھذا الریح (اس جنات کے اثر کی) علامہ ابوموسی نے فرمایا یہاں ریح کے معنی "جن" کے ہیں "جن" کو "ریح" اس لئے نام رکھتے ہیں کہ ہوا کی طرح جن بھی نظر نہیں آتے۔

وقولہ : لو انی رأیت ھذا الرجل (اگر میں ان صاحب کو دیکھ لوں) یعنی ان کو مذکورہ صفت کے ساتھ دیکھ لوں تو ان کا علاج کرونگا، یہ "لو" کا جواب ہے جو مقدر ہے، لیکن راجح قول یہ ہے کہ یہاں "لو تمنی" کے لئے ہے، کاش میں اس ہستی کو دیکھ لوں اور لعل اللہ الخ عبارت سے بھی یہ بات ظاہر ہے۔

وقولہ: أما بعد. آپ نے اس موقعہ پر ارادہ فرمایا کہ اس کے لئے ایک ایسا عظیم خطبہ اور عمدہ نصیحت فرمائیں جس سے بلغاء عاجز آجائیں اور فصحاء حیرت میں پڑجائیں تاکہ عقلمند حضرات جان لیں کہ وہ آپ کے سامنے مجانین اور کم عقل ہیں۔

وسلم نے فرمایا الحمد لله نحمده ونستعينه من يهده الله فلا مضل له الخ. کہ بیشک تمام تعریف اللہ کے لئے ہے، ہم اس کی حمد کرتے ہیں اور اس سے مدد مانگتے ہیں، جس کو اللہ ہدایت دے اسکو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں ہے اور جس کو وہ گمراہ کردے کوئی اس کو ہدایت دینے والا نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اما بعد! تو اس نے کہا آپ اپنے ان کلمات کو مجھ پر دہرایئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کلمات کو اس پر تین مرتبہ دہرایا تو اس نے کہا: خدا کی قسم میں کاہنوں کی باتیں اور جادوگر کی باتیں اور شاعروں کی باتیں بھی سنا ہوں لیکن آپ کے ایسے کلمات کی طرح کبھی نہیں سنا اور خدا کی قسم یہ کلمات تو سمندر کی انتہاء کو پہنچ گئے آپ اپنا ہاتھ لایئے میں آپ کے دست کرم پر اسلام کی بیعت کرتا ہوں۔ راوی نے کہا پھر انہوں نے آپ سے بیعت کرلیا، امام مسلم نے اسکی روایت کی ہے اور مصابیح کے بعض نسخوں میں **بلغنا**

وقوله : لقد سمعت قول الكهنة الخ (میں کاہنوں کی باتیں سنا ہوں.....) وہ آپ کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ (کفار) کبھی آپ کو کاہن کہتے ہیں کبھی جادوگروں کی طرف نسبت کرتے ہیں اور کبھی شاعروں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور میں ان جادوگروں کی باتیں سنا ہوں مگر ان سے آپ کے ان کلمات کی طرح کوئی کلام نہیں سنا یعنی بفرض محال آپ ان میں سے ہوتے تو آپ کے کلام کی ان کے کلام سے مشابہت ہوتی۔ اور جن کا کلام ان کے کلام کے مقابلہ میں اسقدر بلیغ ہے تو اسکو مجنون کہنے والے صرف بے وقوف لوگ ہی ہوسکتے ہیں۔

وقوله : لقد بلغن قاموس البحر (یہ کلمات تو بلاغت میں سمندر کی انتہاء کو پہنچ گئے) قاموس سے سمندر کا بڑا حصہ اور اسکی بیچ گہرائی مراد ہے۔

قوله : بلغن یعنی یہ جامع کلمات۔ وقولہ: قاموس البحر (یعنی کلام کے سمندر کا بڑا حصہ اور اس کی بیچ گہرائی۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کا کلام فصاحت وبلاغت کی انتہاء کو پہنچ گیا ہے۔ (ماخوذ از مرقات)

ناعوس البحر ہے اور صحیح نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں: اس کی تحقیق مرقات میں موجود ہے اس کی طرف مراجعت کرو، اس میں اسکی نفیس بحث ہے۔

517/7059 ﴿ ان ہی سے روایت ہے فرمایا: مجھے ابوسفیان بن حرب نے رودررو بیان کیا[1] اور کہا میں اس صلح کے زمانہ میں جو میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہوئی تھی سفر پر نکلا اور میں ملک شام میں تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہرقل کے پاس لایا گیا انہوں نے کہا دحیہ کلبی اس کو لے کر آئے اور بصریٰ کے گورنر کو دیا اور بصریٰ کا گورنر اسکو ہرقل کے پاس روانہ کیا تو ہرقل نے کہا وہ صاحب جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ نبی ہیں کیا یہاں ان کی قوم کا کوئی شخص ہے، تو لوگوں نے بتایا

1﴾ قوله : من فيه الى فى (رودررو) اس میں من ابتدائیہ ہے یعنی جو حدیث میں بیان کررہا ہوں وہ ان کے منہ سے راست میرے منہ تک پہنچی ہے ہمارے درمیان میں کوئی واسطہ نہیں ہے علامہ طیبی نے یہ بات بیان کی ہے۔ اور اس کے راجح معنی یہ ہیں کہ ان کے ساتھ میرے سوا کوئی بھی دوسرے موجود نہیں تھے۔ اور یہ بات لفظ حدثنی سے اور لفظ فی سے معلوم ہورہی ہے کیونکہ اگر ان کے علاوہ دوسرے موجود ہوتے تو وہ بھی اس کو روایت کرتے تھے پھر یہ بیان ان کے منہ سے میرے منہ تک محدود نہ ہوتا۔

وقوله : فی المدة یعنی صلح کے زمانہ میں جو میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہوئی تھی، اس سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔ امام نووی نے اس کا ذکر کیا ہے اور یہ صلح ۶ھ ہجری میں ہوئی اور اس صلح کی مدت دس سال تھی لیکن قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیفوں میں سے بنی قضاعہ کے بعض لوگوں کو قتل کر کے صلح کو توڑا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸ھ ہجری میں ان سے جنگ کی اور مکہ فتح کرلیا۔

وقوله: عظیم بصری (بصریٰ کا گورنر) با کو پیش کے ساتھ مد کے بغیر، یہ مدینہ طیبہ اور شام کے شہر دمشق کے درمیان ایک بستی ہے

وقوله: فی نفر (چند لوگوں کے ساتھ) قریش کے چند اشخاص کے ساتھ، وہ تیس (۳۰) مرد تھے۔

کہ ہاں ہے تو قریش کے چند لوگوں کے ساتھ مجھے بلایا گیا اور ہم ہرقل کے پاس داخل ہوئے اور ہم کو اس کے سامنے بٹھایا گیا تو ہرقل نے کہا: یہ صاحب جو نبی ہونے کا دعوی کرتے ہیں تم میں سے کون ان سے نسب میں زیادہ قریب ہے؟ ابوسفیان نے کہا: میں نے جواب دیا کہ میں ہوں تو انہوں نے مجھے اس کے سامنے بٹھایا اور میرے ساتھیوں کو میرے پیچھے بیٹھایا، پھر وہ اپنے ترجمان کو بلا کر کہا: تم ان سے کہو کہ میں ان سے ان صاحب کے بارے میں پوچھوں گا جو اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کررہے ہیں، اگر یہ مجھ سے جھوٹ بولے تو تم اس کا جھوٹ بتلادو۔ ابوسفیان نے کہا: خدا کی قسم! اگر اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ میرے بارے میں جھوٹ نقل کیا جائیگا تو میں اسکو جھوٹ کہہ دیتا پھر اس نے اپنے ترجمان سے کہا: ان سے پوچھو تم میں ان کا حسب کیسا ہے؟ تو وہ کہتے ہیں: میں نے کہا

قولہ : أن یوثر (نقل کیا جائے گا) یہ مضارع مجہول ہے یعنی جھوٹ کی روایت کی جائیگی۔

وقولہ : لو لا مخافة ان یوثر علی الکذب (اگر اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ میرے بارے میں جھوٹ نقل کیا جائے گا) اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹ اسلام میں جس طرح قبیح اور بری چیز ہے جاہلیت میں بھی اسکو برا سمجھا جاتا تھا۔

میں کہتا ہوں اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اگر مجھے اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ وہ لوگ جو میرے ساتھ ہیں جب میں اپنی بعض گفتگو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی جھوٹ بات کہوں گا تو وہ مجھے جھٹلادیں گے تو ضرور میں اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے جھوٹ کہتا۔

وقولہ : کیف حسبہ فیکم. (ان کا حسب تم میں کیسا ہے؟) حسب سے مراد وہ چیز ہے جس کو انسان اپنے باپ دادا کے فخریہ اعمال میں سے شمار کرتا ہے۔ علامہ جوہری نے اس کا ذکر کیا ہے اور حسب لفظ نسب سے عام ہے اسی لئے نسب کے بجائے حسب کا لفظ اختیار کیا ہے۔

وقولہ: وھو فینا ذو حسب (وہ ہم میں اچھے حسب والے ہیں) یعنی عظیم حسب ونسب والے ہیں کیونکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب یہ ہے سیدنا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہشام بن عبد مناف۔ اور ابوسفیان کا نسب یہ

کہ وہ ہم میں اچھے نسب والے ہیں، پھر اس نے کہا: کیا ان کے آباء واجداد میں کوئی بادشاہ بھی تھے؟ تو میں نے کہا نہیں، پھر اس نے کہا: جو کچھ انہوں نے کہا ہے اس سے پہلے کیا تم ان پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے؟ تو میں نے کہا: نہیں۔ اس نے پوچھا ان کی اتباع کون کئے ہیں معذور لوگ ہیں یا کمزور لوگ ہیں تو انہوں نے کہا کہ میں نے کہا وہ معزز نہیں بلکہ کمزور لوگ ہیں اس نے کہا کیا وہ زیادہ ہورہے ہیں یا کم ہورہے ہیں تو اس نے کہا میں نے کہا بلکہ وہ زیادہ ہو رہے ہیں اس نے سوال کیا کہ کیا ان میں سے کوئی بھی دین میں داخل ہونے کے بعد اس سے ناراض ہوکر دین سے مرتد ہورہا ہے انہوں نے کہا میں نے کہا نہیں، اس نے سوال کیا تو کیا تم ان سے جنگ کئے ہو میں نے کہاں ہاں تو اس نے تمہاری جنگ ان کے ساتھ کیسی رہی تو انہوں نے کہا میں نے کہا جنگ ہمارے اور ان کے درمیان (پانی کے) ڈولوں کی طرح ہے[1] وہ ہم سے لے

ہے ابوسفیان ابن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف اور ان اشخاص میں عبد مناف خاندان سے میرے سوا اس وقت کوئی دوسرے نہیں تھا۔

وقولہ : بل ضعفاء هم (بلکہ ان کے کمزور لوگ ہیں) یہاں اشراف سے مراد تکبر وغرور والے مراد ہیں اس سے ہر معزز شخص مراد نہیں ہے کیونکہ سیدنا ابوبکر وسیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہرقل کے سوال سے پہلے اسلام لانے والوں میں موجود ہیں، بعض علماء نے یہی بات ذکر کی ہے۔ اور علامہ عینی نے اس کا تعقب کیا ہے کہ دونوں عمر اور حضرت حمزہ بھی پہلے تکبر اور گھمنڈ کرنے والوں میں سے تھے لہٰذا ابوسفیان کا یہ کہنا غالب افراد کی بناء پر ہے۔

وقولہ : سخطة له (اس سے ناراض ہوکر) یعنی دین کو ناپسند کرکے اور اس کو عیب لگا کر اور سخطۃ ترکیب میں مفعول لہ ہے یعنی جو شخص مجبور کیا جا کر یا نفسانی خواہش کی وجہ مرتد ہوجائے تو وہ اس جملہ سے نکل جاتا ہے۔ (ماخوذ از مرقات)

1 **قولہ : تکون الحرب بیننا وبینه سجالا** (جنگ تمہارے اور ان کے درمیان ڈولوں کی طرح ہے) یعنی یہ جنگ ایک

لیتے ہیں اور ہم ان سے لے لیتے ہیں⁽¹⁾۔ اس نے سوال کیا کیا وہ عہد شکنی کرتے ہیں میں نے کہا نہیں اور ہم ان کی طرف سے صلح کی اس مدت میں ہیں اور ہم نہیں جانتے کہ وہ اس مدت میں کیا کرنے والے ہیں۔ انہوں نے کہا خدا قسم اس ایک بات کے سوا کوئی اور بات اس میں داخل کرنے کا مجھے موقعہ نہیں ملا، اس نے سوال کیا ان سے پہلے بھی کسی نے ایسی بات کہی ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ پھر

مرتبہ ہمارے حق میں ہوتی ہے اور ایک مرتبہ ہمارے خلاف ہو جاتی ہے، اس کی اصل یہ ہے کہ ڈول سے پانی سینچنے والوں میں سے ہر ایک کے لئے ڈول ہوتا ہے اور یہ بھی ایک قول ہے کہ لفظ **سجل مساجلة** سے ہے اس کے معنی ایک دوسرے کے جیسا کام کرنا ہے، کیونکہ پانی کے لئے ہر آنے والے کا ایک ڈول ہوتا ہے اور ہر ایک کے لئے پانی لینے کا ایک دن مقرر ہوتا ہے۔

اور شرح کرمانی شرح بخاری میں سجالا یعنی ڈول "س" کو زیر اور جیم بغیر تشدید کے سجل کی جمع ہے اس میں سین کو زیر "ج" کو جزم ہے مطلب یہ ہے کہ آپس میں لڑنے والے پانی سینچنے والوں کی طرح ہیں یہ شخص ایک ڈول کھینچتا ہے تو یہ شخص ایک ڈول کھینچتا ہے اور مساجلة کہتے ہیں دو فریقوں میں سے ہر ایک وہ کام کرے جو دوسرا فریق کر رہا ہے۔ (مجمع البحار)

1۔ **قوله : يصيب منا ونصيب منه** (وہ ہم سے لے لیتے ہیں اور ہم ان سے لے لیتے ہیں) یعنی وہ کبھی غالب آکر ہم سے لے لیتے ہے اور کبھی ہم غالب آکر ان سے لے لیتے ہیں۔ اس واقعہ سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اور ان کفار کے درمیان تین مقامات پر جنگ ہوئی جنگ بدر، جنگ احد، اور جنگ خندق جنگ بدر میں مسلمان کفار سے میدان لے چکے تھے تو جنگ احد میں اس کا الٹا ہوا اور جنگ خندق میں دونوں جانب کے تھوڑے لوگ مارے گئے تھے اور ابو سفیان نے سجال جو کہا تو سچ کہا، باوجود یہ کہ سجال سے دونوں میں برابری لازم نہیں آتی۔

وقوله : فهل يغدر (اور کیا وہ عہد شکنی کرتے ہیں) یغدر میں دال کو زیر (کسرہ) ہے اور یہ **غدر** سے ہے اور اس کے معنی عہد کو توڑنا اور وعدہ خلافی کرنا ہے۔

وقوله : ونحن منه (اور ہم ان کی جانب سے صلح ...) یعنی ہم اس مدت میں پر خطر ہیں یعنی اس صلح کے زمانہ میں جو حدیبیہ

اس نے اپنے ترجمان سے کہا: تم ان سے کہو میں نے تم سے ان کے تم میں حسب کے بارے میں پوچھا تھا تو تم نے کہا کہ وہ تم میں اچھے حسب والے ہیں اور رسول ایسے ہی ہوتے ہیں، وہ اپنی قوم کے اچھے حسب میں بھیجے جاتے ہیں اور میں نے تم سے پوچھا تھا کیا ان کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟ تو تم نے کہا: نہیں تو میں نے کہا کہ اگر ان کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ ہوتا تو میں کہتا یہ صاحب اپنے باپ دادا کی بادشاہت کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور میں نے تم سے سوال کیا تھا ان کے متبعین کے بارے میں کیا وہ قوم کے کمزور لوگ ہیں یا معزز لوگ ہیں تم نے کہا بلکہ وہ ان میں کے کمزور لوگ ہیں تو رسولوں کے پیروی کرنے والے یہی لوگ ہوتے ہیں۔ اور میں نے تم سے سوال کیا تھا کیا تم ان پر جو کچھ انہوں نے کہا ہے اس سے پہلے جھوٹ کی تہمت لگائے تھے تو تم نے کہا

کے دن قرار پائی تھی۔ **وقوله تبعث فى احساب قومها** (رسول اپنی قوم کے اچھے حسب میں بھیجے جاتے ہیں) پیغمبروں کی بعثت ان کی قوموں کے اچھے حسب والوں میں سے ہوتی ہے، **تبعث ایقاع** کے معنی تضمین کے لئے لفظ فی سے متعدی کیا گیا ہے اور لفظ فی یہاں من کے معنی میں ہوسکتا ہے جیسا کہ صاحب قاموس نے اسکو جائز قرار دیا ہے۔ **وقوله فقلت** (تو میں نے کہا) یعنی اپنے دل میں اپنی رائے کے مطابق کہا۔ **وقوله وهم اتباع الرسل** (رسولوں کی پیروی کرنے والے یہی لوگ ہوتے ہیں) یعنی شروع میں اتباع کرنے والے جیسا کہ علماء اور اولیاء کے متبعین میں دیکھا جاتا ہے۔ **وقوله بشاشته** یعنی اس کی انس وفرحت۔ **وقوله: أن يك ماتقول حقافانه نبى** (جو تم کہہ رہے ہو اگر وہ سچ ہے تو یقیناً وہ نبی ہیں) شرح مسلم میں ہے علماء نے کہا کہ ہرقل کا یہ قول کہ "جو تم کہہ رہے ہو اگر وہ سچ ہے تو یقیناً وہ نبی ہیں"۔ اس نے اس بات کو سابقہ کتابوں سے معلوم کیا ہے، چنانچہ توراۃ میں یہ بات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس جیسی مزید علامتیں موجود ہیں۔ پس اس نے علامتوں کے ذریعہ آپ کو پہچانا۔ اب رہا آپ کی نبوت پر قطعی دلیل تو وہ آپ کا خارق عادت واضح کھلا معجزہ ہے اس طرح کی بات علامہ مازری نے فرمائی ہے۔

نہیں، تو میں جان لیا کہ وہ ایسے نہیں ہو سکتے کہ لوگوں پر جھوٹ کہنا چھوڑ دیں پھر وہ اللہ پر جھوٹ کہنے لگیں۔ اور میں نے تم سے پوچھا تھا کیا ان میں سے کوئی دین میں داخل ہونے کے بعد پھر اس سے ناراض ہو کر دین سے پھر جا رہا ہے؟ تو تم نے کہا نہیں۔ اور ایمان جب اس کی خوشی دلوں سے

اور علامہ شیخ اکمل الدین نے فرمایا: ان تمام باتوں کے باوجود ایمان نہیں لایا۔ اور اس کو یہ جو معرفت حاصل ہوئی اس سے فائدہ نہیں اٹھایا کیونکہ یہی وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے خلاف فوج لے کر حملہ آور ہوا اور صحابہ کے خلاف جنگ کیا اور اس نے ان کے خلاف روم اور روم کے علاوہ دوسرے ممالک سے بھی فوج لیکر بار بار حملہ کرنے میں کوتاہی نہیں کیا، اللہ تعالی اس کی فوج کو شکست دیتا گیا اور ان کو ہلاک کرتا گیا اور اس کی فوج میں سے سوائے تھوڑے لوگوں کے کوئی اس کی طرف واپس نہیں پلٹا۔ مگر پھر بھی وہ مسلسل ایسی ہی حرکت کرتا رہا اور جنگ کرتا رہا یہاں تک کہ وہ مر گیا اور اس وقت ملک شام کے اکثر شہر مسلمانوں کے ہاتھ فتح ہو چکے تھے۔ پھر اس کے بعد اس کا بیٹا والی ہوا اور اس کے مرنے کے ساتھ رومی حکومت ختم ہو گئی۔

میں کہتا ہوں: جاہلیت والی رومی حکومت ختم ہو گئی پھر ان کے لئے وہ حکومت غلبہ اور ایمانی قوت کے ساتھ اسلامی حکومت میں تبدیل ہو گئی۔ **وقوله اخلص** (پہنچ سکوں) لام کو پیش ہے اس کے معنی ہیں اگر میں ان تک پہنچ سکوں۔

وقوله: لغسلت یعنی میں ان کے قدم مبارک کے دھوون سے اپنا منہ دھوتا۔ امام نووی نے فرمایا اس کے لئے اس کے بارے میں کوئی عذر باقی نہیں رہا کیونکہ اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو جان گیا تھا۔ وہ حکومت کی لالچ میں قبول کرنے سے پیچھے رہ گیا اور اقتدار کی خواہش میں وہ اسلام پر کفر کو ترجیح دیا اور صحیح بخاری میں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر آیا ہے۔ اگر اللہ تعالی اسکی ہدایت کا ارادہ فرماتا تو ضرور اسکو اس کی توفیق عطا فرماتا جیسا کہ نجاشی کو توفیق عطاء فرمایا اور اس کی ریاست بھی ہمیشہ رہی۔ اور ہمارے شیخ المشائخ علامہ حافظ جلال الدین سیوطی نے اس کے ایمان میں اختلاف کیا ہے اور راجح بات یہ ہے کہ وہ کفر پر قائم رہا۔ اور مسند امام احمد میں ہے اس نے تبوک سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لکھ کر بھیجا ''میں مسلمان ہوں'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے جھوٹ کہا بلکہ وہ نصرانیت پر قائم ہے میں کہتا ہوں اس میں اس کے کفر پر مرنے کی صراحت نہیں ہے۔ اس کے اصل کی بناء پر کفر پر مرنے کے قول کو ترجیح دی گئی۔

پیوست ہوجاتی ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ اور میں تم سے پوچھا تھا کیا وہ زیادہ ہورہے ہیں یا وہ کم ہورہے ہیں؟ تو تم نے کہا وہ زیادہ ہورہے ہیں اور تو ایمان ایسا ہی ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ پورا ہوجاتا ہے اور میں نے تم سے پوچھا تھا کیا تم ان سے جنگ کئے؟ تو تم نے کہا تم ان سے جنگ کئے اور جنگ تمہارے اور ان کے درمیان ڈول ہوجاتی ہے، وہ تم سے لیتے ہیں اور تم ان سے لیتے ہو تو اسی طرح رسول آزمائے جاتے ہیں، پھر نتیجہ رسولوں کے حق میں ہی ہوتا ہے۔ اور میں نے تم سے پوچھا کیا وہ عہد شکنی کرتے ہیں؟ تو تم نے کہا وہ عہد شکنی نہیں کرتے تو رسول ایسے ہی ہوتے ہیں عہد شکنی نہیں کرتے اور میں تم سے پوچھا تھا یہ بات آپ سے پہلے کسی نے کہی تھی؟ تو تم نے کہا نہیں تو

وقولہ : فقرأہ (اور اس کو پڑھا) اسکی تعظیم کیا اور اسکی حفاظت کرنے میں مبالغہ کیا اور یہ چیز اسکی اولاد میں بادشاہت کے باقی رہنے کا سبب بن گئی اسکے برخلاف کسریٰ کہ اُس نے مبارک خط کو پھاڑ دیا اور پارہ پارہ کردیا کا سبب بن گئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی سلطنت کو پارہ پارہ کردے اور اسکی اولاد کو الگ الگ کردیا اور ان سے ان کی سلطنت نکال دی اور علامہ سیف الدین نے فرمایا: مجھے عرب کے بادشاہ نے فرنگیوں کے بادشاہ کے پاس کسی کام کی سفارش کے لئے بھیجا تو اس کو قبول کیا اور مجھ سے ٹہرنے کی پیشکش کی تو میں اس کو قبول کرلیا پھر اس نے کہا: میں آپ کو ایک قیمتی تحفہ دوں گا پھر اپنے صندوق سے سونے کا قلمدان نکالا پھر اس میں سے ایک فرمان نکالا اس کے اکثر حروف جاچکے تھے، اور کہا یہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خط میرے دادا قیصر کے نام ہے، ہم آج تک اس کو ایک دوسرے سے وراثت میں حاصل کرتے رہے ہیں اور دادا نے ہم کو وصیت کی ہے جب تک یہ خط ہمارے پاس رہیگا اس وقت تک بادشاہت ہم سے نہیں جائیگی ہم اس کی حفاظت کرتے آرہے ہیں تا کہ ہمارے لئے حکومت ہمیشہ رہے۔ علامہ اکمل الدین نے اس کا ذکر فرمایا ہے۔ (ماخوذ از مرقات)

1۔ **قولہ : وکذالک الایمان** (اور اسی طرح ایمان ہے) یعنی ایمان کی بشاشت بڑھتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ مکمل ہوجاتی ہے۔

میں نے کہا کہ اگر آپ سے پہلے کسی نے یہ بات کہی ہوتی تو میں کہتا کہ یہ صاحب ان سے پہلے جو بات کہی گئی ہے اس کی اقتداء کیے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا پھر اس نے پوچھا وہ تم کو کس بات کا حکم دیتے ہیں؟ تو ہم نے کہا وہ ہم کو نماز' زکوۃ' صلہ رحمی اور پاک دامنی کا حکم دیتے ہیں' اس نے کہا: تم جو کچھ کہہ رہے ہو اگر وہ سچ ہے تو یقیناً وہ نبی ہیں۔ اور میں جانتا تھا کہ وہ تشریف لانے والے ہیں لیکن میں یہ نہیں سمجھتا تھا کہ وہ تم میں سے ہوں گے۔ اور اگر میں جانتا کہ ان تک پہنچ سکوں گا تو ضرور ان سے ملاقات کرنے کو پسند کرتا اور اگر میں ان کے پاس ہوتا تو ان کے قدموں کے دھوون سے دھوتا۔ اور ان کی حکومت یقیناً میرے دونوں قدم کے نیچے کی زمین تک پہنچ جائیگی پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان منگوایا اور اسکو پڑھا۔ (متفق علیہ) اور یہ مکمل حدیث **باب الکتاب الی الکفار** (کفار کو دعوت اسلام کے خط کے باب) میں گزر چکی ہے۔

ختم شد

22/155 باب فی المعراج

معراج کا بیان

518/7060 ﴿ حضرت قتادہ حضرت انس بن مالک سے اور وہ مالک بن صعصعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس رات کے بارے میں بیان فرمایا[1] جس میں آپ کو معراج میں بلایا گیا تھا، کہ میں حطیم میں اور بعض دفعہ فرمایا میں حجر میں لیٹا ہوا تھا[2] ایک

---

1 ﴿ **قولہ حدثہ عن لیلۃ اسری بہ.** (آپ نے ان کو اس رات کے بارے میں بیان کیا جس میں معراج کرائی گئی) امام زہری نے فرمایا واقعہ معراج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے پانچ سال بعد واقع ہوا اور یہی قول راجح ہے۔ (مرقات)

1 ﴿ **قولہ مضطجعا** (لیٹے ہوئے تھے) یہ دونوں روایتوں کے لئے قید ہے اور خواب اور بیداری دونوں کا احتمال ہے۔ اور کتاب شرح السنہ میں قاضی عیاض نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج سے متعلق لوگوں کے مختلف اقوال ہیں ایک قول میں ہے کہ یہ سارا واقعہ منامی ہے مگر حق بات جس پر اکثر لوگ اور بکثرت بزرگان دین اور متاخرین فقہا، محدثین اور متکلمین ہیں کہ آپ کی معراج جسد مبارک کے ساتھ (بیداری میں) ہوئی ہے۔

اور مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو چیز بھی دکھائی گئی وہ بیداری میں ہے اور آپ نے اس کو اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھا ہے اور اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ قریش نے اس کا انکار کیا اور ایک جماعت جو اسلام لائی تھی واقعہ معراج کو سننے کے بعد مرتد ہوگئی اور یہ انکار اسی وقت متصور ہوگا جب کہ یہ معراج بیداری میں ہو کیونکہ خواب میں اس سے بھی زیادہ بعید بات کا انکار نہیں کیا جاتا۔ اور یہ معراج دو مرتبہ ہوئی ایک مرتبہ خواب میں اور دوسری مرتبہ بیداری ہوئی ہے۔

اور علامہ ملا علی قاری نے فرمایا بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ معراج خواب میں بھی اور بیداری میں بھی متعدد مرتبہ ہوئی

آنے والا میرے پاس آیا اور یہاں تک یعنی سینہ کی گنڈی سے آپ کے بالوں[1] (ناف کے نیچے)

کے درمیان تک چاک کیا اور میرے دل کو نکالا[2] پھر ایک سونے کا طشت ایمان سے بھرا

ہے اور اس قول سے معراج کے مختلف دلائل کے درمیان جمع کیا جا سکتا ہے۔ اور علامہ خیالی رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا اس کا بہتر جواب یہ ہے کہ معراج دو مرتبہ ہوئی ایک مرتبہ آپ کے جسد مبارک کے ساتھ دوسری مرتبہ آپ کی روح مبارک کے ساتھ ہوئی اور سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے قول میں دوسری روحانی معراج کا بیان ہے۔

اور علامہ محی السنہ نے فرمایا رویا سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی نے نزول وحی سے پہلے خواب میں معراج کرایا تھا اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ذکر ہے کہ آپ جب بیدار ہوئے تو مسجد حرام میں تھے۔ اور اس خواب کو پورا کرنے کے لئے نزول وحی کے بعد بیداری کی حالت میں بھی آپ کو معراج کرائی گئی جیسا کہ آپ ﷺ نے ۶ ہجری میں فتح مکہ کا خواب دیکھا پھر اس کو ۸ آٹھ ہجری میں پورا کیا گیا۔ اور عقائد نسفیہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت بیداری میں جسم کے ساتھ آسمانوں کی طرف معراج ہوئی پھر اللہ تعالی نے وہاں سے آپ کو جس قدر بلندی پر چاہا معراج میں بلایا یہ معراج حق اور ثابت ہے۔

1﴾ **قوله الی شعرته.** ش کو زیر (کسرہ) ہے پیڑو کو کہتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ شعرۃ سے ناف کے نیچے بال اگنے کا مقام مراد ہے، نہایہ میں ایسا ہی ہے۔ (مرقات)

2﴾ **فاستخرج قلبی.** (اور اس نے میرے دل کو نکالا) ایک شارح نے بیان کیا قلب مبارک کو شق کرنے کا یہ واقعہ بچپن کے واقعہ کے علاوہ ہے وہ شق کرنا خواہش نفس کے مادہ کو نکال دینے کے لئے ہوا تھا اور یہ شق کرنا کمال علم و معرفت کو داخل کرنے کے لئے ہوا۔ اور میں کہتا ہوں اس میں تخلیہ اور تحلیہ دونوں کی طرف اشارہ ہے۔

پھر اس بات کو دیا رکھو کہ یہ معجزہ ہے کیونکہ کسی کے بطن کو چاک کرنا پھر اس میں سے دل نکالنا عام طور پر اس کے بعد زندہ رہنا محال ہے۔ بعض حضرات نے اس کو مجازی معنی پر محمول کیا ہے۔ علامہ توریشتی نے فرمایا حدیث شریف میں ذکر آیا ہے آپ کے سینہ مبارک کو چاک کرنا اور دل کو نکالنا اور اس طرح کے دیگر امور ان کو تسلیم کرنا اور ان کو ماننا ہی واحد راستہ ہے۔ ان کو حقیقی معنی سے ہٹانا اور مجازی معنی کے ذریعہ منقول اور معقول میں توفیق کا دعوی کرنا اسکو محال سمجھ کر حقیقی معنی سے فرار

ہوا میرے پاس لایا گیا[1] اور میرے قلب کو غسل دیا گیا پھر اسکو بھر دیا گیا پھر اس کو اس کی جگہ لوٹا دیا گیا اور ایک روایت میں ہے پھر بطن مبارک کو زمزم کے پانی سے دھویا گیا پھر ایمان وحکمت سے بھر دیا گیا پھر میرے پاس ایک چوپایہ لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور دراز گوش سے بڑا اور سفید روشن تھا۔ اس کو براق کہا جاتا ہے[2] وہ اپنا قدم حد نظر پر رکھتا تھا۔ مجھے اس پر سوار کرا دیا گیا اور 519/7061

اختیار کرنے کے لئے حقیقی معنی سے ہٹانا نہیں چاہئے۔ اور ہم الحمد للہ صادق ومصدوق کے ارشاد میں حقیقی معنی سے عدول کرنا اور مجازی معنی کو اختیار کرنے کو درست نہیں سمجھتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں یہ محال نہیں ہے۔ (مرقات)

1 **قوله بطشت من ذهب.** (سونے کا طشت لایا گیا) ہوسکتا ہے یہ واقعہ سونے کے برتن کے استعمال کی حرمت سے پہلے کا ہو۔ یا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت سے ہو۔

قوله مملو ایمانا. (ایمان سے بھرا ہوا) شرح مسلم میں ہے ایمان کو طشت میں رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں ایسی کوئی شئی رکھی گئی جس سے ایمان حاصل ہوتا ہے۔ یہ مجازی معنی ہیں اور ایک شارح نے کہا اس کے حقیقی معنی مراد لینے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں خلاصہ کلام یہ ہے کہ معانی بھی جسم اختیار کرتے ہیں اور اعمال کے وزن کئے جانے کے باب میں اسکی تحقیق گزر چکی ہے نیز موت کو دنبہ کی شکل میں ذبح کرنے کی حدیث میں اور اس جیسے دوسرے واقعات میں بھی اس بات کی تحقیق گزر چکی ہے۔ (مرقات)

2 **یقالُ له البراق.** (اسکو براق کہا جاتا ہے) اس کا نام براق اس کی برق کی طرح تیز رفتاری کی وجہ سے رکھا گیا یہ اور ایک قول یہ ہے کہ براق بریق چمک اور روشنی سے ماخوذ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ دو رنگ والا ہونے سے براق کہا گیا جیسا کہ اس بکری کو جس کے سفید بالوں میں کالے دھبے ہوتے ہیں شاۃ برقاء کہتے ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ لفظ مشتق نہ ہو، صاحب لمعات نے کہا ہے کہ یہ تفصیل مواہب میں ہے۔ اور صاحب مرقات نے کہا قول راجح یہ ہے کہ براق کو انبیاء علیہم السلام کی سواری کے لئے رکھا گیا ہے۔ نیز کہا گیا ہے ہر نبی کے لئے الگ الگ براق ہے اور یہ بات انبیاء علیہم السلام کے مراتب کے اعتبار سے مناسب ہے۔ اور شرح مسلم میں ہے براق اس سواری کا نام ہے

جبریل مجھے لیکر چلے حتی کہ آسمان دنیا تک پہنچے[1] اور دروازہ کھولنے کو کہا تو پوچھا گیا کون ہے تو کہا جبریل ہے کہا گیا اور آپ کے ساتھ کون ہیں تو جبریل نے کہا[2] حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں

جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں سواری کئے تھے۔

1﴾ **حتی اتی السماء الدنیا** (یہاں تک کہ آسمان دنیا تک پہنچے) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان تک سوار ہو کر گئے اور اس روایت سے بعض حضرات نے کہا کہ بیت المقدس تک آپ کا سفر ایک الگ رات میں ہوا اور آسمان کا سفر ایک دوسری رات میں ہوا یہ دونوں سفر دو الگ الگ رات میں ہوئے ہیں۔ مگر جو دوسری روایات ہیں اس میں صراحت ہے کہ آسمانوں تک کا سفر معراج براق پر نہیں ہوا بلکہ سُلّم یعنی سیڑھی کے ذریعہ ہوا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ بہ ظاہر اس میں راوی کی طرف سے اختصار اور گزشتہ تفصیلات کا اجمال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے براق کو اس حلقہ سے باندھ دیا جس سے انبیاء علیہم السلام باندھتے تھے۔ ہاں ممکن ہے آپ کا سفر بیت المقدس تک براق پر ہوا ہو اور آسمانوں کا سفر سیڑھی کے ذریعہ ہو (واللہ اعلم) پس اس میں راوی نے مضمون کو لپٹ دیا جس کی وجہ سے مفہوم کو سمجھنے میں خلل واقع ہو گیا۔ پھر یہ کہ آسمانوں کے سفر سے پہلے بیت المقدس تک کے سفر میں حکمت یہ تھی کہ یہ سفر مخالفین کے سامنے اظہار حق کے راستہ کا تھا۔ اگر مکہ مکرمہ سے سیدھے آسمانوں کا سفر ہوتا تو مخالفین کو حق سمجھانے کے لئے کوئی راستہ نہیں ہوتا تھا۔ جیسا کہ احادیث شریفہ میں بیت المقدس سے متعلق تفصیلات اور راستہ میں قافلہ کی ملاقات سے متعلق معاندین نے سوالات کئے اور آپ نے ان سب کے جوابات دیئے اور اس کے علاوہ اس میں اس مقام کی طرف سفر کی فضیلت بھی ہے یہ مقام اکثر انبیاء علیہم السلام کی ہجرت گاہ ہے۔ نیز مروی ہے بیت المقدس کے بالکل اوپر ملائکہ کی چڑھنے اترنے کی سیڑھی اور جھولا ہے اور اوپر جانے کا بیت المقدس سے راستہ سیدھا ہے اس میں کوئی موڑ نہیں ہے امام سیوطی نے اسکو ذکر کیا ہے۔ (لمعات)

2﴾ **قال جبریل** (انہوں نے کہا جبریل ہوں) قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اس میں ضمیر **ھو** یا **أنا** مقدر ہے۔ اور اس میں اس بات کی صراحت ہے کہ آسمان میں دروازے ہیں اور اس کی حفاظت کرنے والے بھی مقرر ہیں اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ داخلہ کے لئے اجازت لینا چاہئے اور جواب میں **أنا** کے ساتھ اپنا نام مثلاً انا زید بولنا چاہئے صرف انا (میں) پر اکتفاء

تو کہا گیا ان کی طرف بھیجا گیا تھا[1] تو اس نے کہا ہاں تو کہا گیا ان کیلئے خوش آمدید[2]۔ وہ تشریف

نہیں کرنا جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے اور اس کی یعنی صرف انا میں، میں بولنے کی ممانعت آئی۔

اور علماء نے کہا ہے کہ ارواح کی چار قسمیں ہیں (۱) وہ ارواح جو صفات بشریہ سے متصف ہو کر مکدر ہوگئی ہیں اور یہ عوام کی ارواح ہیں جن پر حیوانی طاقتیں غالب ہیں اس لئے ایسی ارواح عروج نہیں کرسکتیں ان میں عروج کی صلاحیت نہیں ہے۔ (۲) وہ ارواح جن میں علوم کے اکتساب کے لئے قوت نظریہ کمال درجہ کی ہوتی ہے اور یہ علماء کی ارواح ہیں۔ (۳) وہ ارواح جن کو اخلاق حمیدہ کے ذریعہ بدن کی تدبیر کرنے کی کمال درجہ کی قوت ہوتی ہے یہ خدا کے مرتاضین بندوں کی ارواح ہیں اور جب یہ بڑی عمر کے ہوجاتے ہیں تو ان کے جسم ریاضت اور مجاہدہ کی وجہ سے اور طاقتور ہوجاتے ہیں۔ (۴) وہ ارواح جن کو دونوں قوتوں کا کمال حاصل ہوتا ہے یہ انتہائی اعلیٰ درجہ کی بشری ارواح ہیں اور یہ انبیاء علیہم السلام اور صدیقین ہوتے ہیں اور جب ان میں یہ قوت زیادہ ہوجاتی ہے تو ان کے بدن زمین سے اوپر اٹھ جاتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام میں چونکہ یہ ارواح زیادہ طاقتور ہوتی ہیں اس لئے وہ آسمانوں پر چڑھ جاتے ہیں اور تمام پیغمبروں میں ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت سب سے زیادہ کمال درجہ کی ہے، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج قاب قوسین اوادنی تک ہوئی۔ (مرقات)

1۔ **قولہ قد قیل وقد ارسل الیہ** (کیا معراج کے لئے آپ کے پاس کسی کو بھیجا گیا) اس میں واو عطف کے لئے ہے اور یہاں ہمزہ استفہام محذوف ہے یعنی کیا آپ کو بلایا گیا اور معراج کے لئے آپ کے پاس کسی کو بھیجا گیا۔ اس میں صحیح بات یہ ہے کہ آپ کی بعثت ورسالت سے متعلق سوال نہیں ہے کیونکہ اس عرصہ تک فرشتوں پر آپ کی رسالت پوشیدہ نہیں رہ سکتی، اور ایک بات یہ بھی کہی گئی ہیکہ ان کا یہ سوال حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کے انعامات پر انتہائی تعجب اور آپ کی معراج کی خوشی میں ہے کیونکہ ان کے پاس یہ واضح تھا انسانوں میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اور ان کو اوپر لیکر آنے کے لئے فرشتوں کو حکم دیئے بغیر اوپر نہیں آسکتے تھے اور جن کی طرف جبریل علیہ السلام کو بھیجا نہیں گیا ان کے ساتھ جبریل نہیں چڑھے اور ان کے لئے آسمان کے دروازے بھی کھولے نہیں گئے۔ (ماخوذ از مرقات)

2۔ **قولہ فنعم المجیئی۔** یہ مجیئ ہے ان کی تشریف آوری لفظ جاء فعل ماضی ہے اور نیا جملہ ہے بیان زمان ہے یا بیان حال ہے اور **المجیئی** نعم کا فاعل ہے اور مخصوص بالمدح مجیئہ محذوف ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کی تقدیر نعم

لائے کیا خوب تشریف آوری ہے، پس دروازہ کھولا گیا اور جب میں دیکھا اس میں آدم علیہ السلام تھے تو اس نے کہا یہ آپ کے والد ہیں آپ ان کو سلامتی کی دعا دیں[1] تو میں ان کو سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا پھر فرمایا (ابن صالح اور نبی صالح) کے لئے خوش آمدید۔

پھر وہ مجھے لے کر اوپر چڑھے یہاں تک کہ دوسرے آسمان پر پہونچے اور دروازہ کھلوایا[2] تو کہا

المجیئی الذی جاء آپ کی تشریف جو آپ تشریف لائے ہیں کتنی اچھی ہے اس میں الذی اسم موصول کو حذف کر کے صلہ کو باقی رکھا گیا۔ **قولہ خلصت** کے معنی **وصلت** ہے یعنی جب میں پہنچا۔ (مرقات)

1﴾ **فسلّم علیه.** علامہ تورپشتی نے فرمایا سلام کرنے کا حکم آپ کو اس لئے دیا گیا کہ آپ ان حضرات کے پاس سے گزر رہے تھے اس لئے آپ قائم یعنی کھڑے ہوئے شخص کے حکم میں تھے اور وہ حضرات بیٹھے ہوئے شخص کے حکم میں تھے۔ اور کھڑا ہوا شخص بیٹھے ہوئے شخص کو سلام کرتا ہے اگر چیکہ کھڑا ہوا ہے ان سے افضل ہو اور آپ کا ان سب سے افضل ہونا تو ظاہر و باہر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے اعلیٰ مرتبہ پر اور سب سے قوی حالت پر اور سب سے زیادہ بلندی پر عروج کرنے والے ہیں۔ **قولہ فردّ السلام.** انہوں نے بہت اچھے طریقہ پر سلام کا جواب دیا اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ انبیاء علیہم السلام حقیقت میں زندہ ہیں۔ **قولہ مرحبا بالابن الصالح والنبی الصالح** (ابن صالح اور اخ صالح کے لئے خوش آمدید) کہا گیا ہے کہ صفت صالح انبیاء کے لئے مخصوص ہے۔ کیونکہ صالحیت ایک ایسی صفت ہے جو خیر اور کرم کے جملہ خصائل اور جملہ امور خیر کو شامل ہے اور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ صالح وہ شخص ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کے جملہ لوازم و متعلقات کو پورا پورا کرتا ہے اسی لئے انبیاء علیہم السلام کی زبانوں پر یہ دعا جاری رہتی ہے **توفنی مسلما والحقنی بالصالحین** ۔اے رب مجھے مسلمان وفات دے اور صالحین میں مجھے ملادے۔ **وقولہ حتی اتی السماء الثانیة.** اور روایت میں آیا ہے کہ ایک آسمان سے دوسری آسمان کے درمیان کا فاصلہ پانچ سو (۵۰۰) سال کا ہے۔ (مرقات)

2﴾ **قولہ قیل من هذا الخ.** تمام دروازوں پر اس سوال و جواب کی تکرار اس لئے ہوئی کہ اس سفر میں آپ کے لئے زمان و مکان کو لپیٹ دیا گیا تھا اور رحمن کا خاص کرم تھا کہ ہر زبان پر آپ کی تعریف تھی اور آپ کی شان عالی کا ہر

گیا کون ہیں تو کہا جبریل ہے تو کہا آپ کے ساتھ کون ہیں تو جبریل نے کہا حضرت محمد ہیں تو کہا گیا کیا ان کے پاس بلانے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ تو اس نے کا کہاہاں تو کہا گیا ان کے لئے خوش آمدید، وہ تشریف لائے کیا خوب تشریف آوری ہے اور دروازہ کھولا گیا پس جب میں اندر پہونچا تو دیکھا کہ حضرت یحیٰی[1] اور حضرت عیسیٰ ہیں اور وہ دونوں خالہ زاد بھائی ہیں، اس نے کہا یہ یحیٰی اور عیسیٰ ہیں آپ ان دونوں کے لئے سلامتی کی دعا دیجئے تو میں نے سلام کیا اوان دونوں نے جواب دیا پھر ان دونوں نے کہا **مرحبا بالاخ الصالح النبی الصالح** (صاحب صلاحیت بھائی اور صاحب صلاحیت نبی کے لئے خوش آمدید) پھر وہ مجھے اوپر تیسرے آسمان کی طرف لے کر چلے اور دروازہ کھلوایا تو کہا گیا یہ کون ہیں تو اس نے کہا جبریل ہوں تو کہا گیا تمہارے ساتھ کون ہیں تو اس نے کہا حضرت محمد ہیں

طرف چرچا ہو چکا تھا۔ (مرقات)

1؎ **قوله اذا یحی وعیسی.** (میں یحیٰی وعیسیٰ کو دیکھا) علامہ ابن الملک نے کتاب شرح المشارق میں فرمایا ہے کہ انبیاء کی ارواح اپنی ان شکلوں کو اختیار کئے جس میں وہ تھیں ظاہر ہوئیں تھیں سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہ بعینہ اپنے اسی جسم کے ساتھ تھے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔ علامہ تورپشتی نے کہا انبیاء علیہم السلام کو آسمانوں میں اور بیت المقدس میں دیکھنے کو محمول کیا جا سکتا ہے کہ ان کی روحانیت اپنی ان شکلوں کو اختیار کر کے ظاہر ہوئیں تھیں جس میں وہ تھے سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے ان کو دیکھنا اس میں دونوں باتوں کا احتمال ہے یا ان میں سے کسی ایک کا بھی احتمال ہو سکتا ہے۔ تو میں کہتا ہوں ہم یہ بات بتا چکے ہیں انبیاء علیہم السلام دوسرے انسانوں کی طرح مرتے نہیں بلکہ وہ دار فناء سے دار بقاء کی طرف منتقل ہوتے ہیں اور احادیث میں آیا ہے اور واقعات شاہد ہیں کہ وہ قبروں میں زندہ ہیں کیونکہ وہ شہداء سے افضل ہیں اور شہداء اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے لئے فرشتوں کی طرح مقامات مقرر ہیں۔ (ماخوذ از مرقات)

تو کہا گیا کیا ان کو بلانے کے لئے بھیجا گیا ؟ تو اس نے کہا ہاں تو کہا گیا خوش آمدید وہ تشریف لائے ان کا تشریف لانا کس قدر خوب ہے پس دروازہ کھولا گیا اور جب میں اس میں پہنچا تو دیکھا یوسف ہیں تو اس نے کہا یہ حضرت یوسف ہیں آپ ان کے لئے سلامتی کی دعاء دیجئے میں ان کو سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا پھر فرمائے خوش آمدید اخ صالح نبی صالح کے لئے پھر وہ مجھے اوپر چوتھے آسمان کی طرف چڑھائے اور دروازہ کھولنے کے لئے کہا تو کہا گیا کون ہیں تو کہا میں جبریل ہوں تو کہا گیا اور آپ کے ساتھ کون ہیں تو اس نے کہا حضرت محمد ہیں تو کہا گیا کیا ان کی طرف بلانے کے لئے بھیجا گیا تھا؟ تو اس نے کہا ہاں تو کہا گیا خوش آمدید وہ تشریف لائے، ان کی تشریف کس قدر خوب ہے پس دروازہ کھولا گیا جب میں اس میں پہنچا تو ادریسؑ کو دیکھا تو اس نے کہا یہ حضرت ادریسؑ ہیں آپ ان کو سلام کیجئے تو میں ان کو سلام کیا اور انہوں نے سلام کا جواب دیا پھر انہوں نے کہا خوش آمدید[1] اخ صالح اور نبی صالح کے لئے۔ پھر وہ مجھے اوپر لے چلے یہاں تک کہ پانچویں آسمان پر پہنچے پھر اس نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا تو کہا گیا کون ہے تو کہا جبریل ہوں کہا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہیں تو کہا حضرت محمد ہیں تو کہا گیا کیا ان کی طرف

1﴾ مرحبا بالاخ الصالح. (اخی صالح کے لئے خوش آمدید) قاضی عیاض نے فرمایا یہ بات مؤرخین کے قول کے خلاف ہے ان کا قول ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد میں سے ہیں تو ممکن ہے آپ کا اخ صالح فرمانا شفقت اور بطور ادب کے ہو۔ علاوہ ازیں وہ ایک طرح سے والد ہیں ایک طرح سے بھائی بھی ہیں اس معنی میں کہ انبیاء علیہم السلام آپس میں نبوت کے لحاظ سے بھائی بھائی ہیں۔ (شرح مسلم ومرقات)

بلانے کے لئے بھیجا گیا تھا؟ تو اس نے کہا ہاں تو کہا گیا خوش آمدید وہ تشریف لائے کیا خوب ان کی تشریف آوری ہے دروازہ کھولا گیا[1] پس جب میں اس میں پہنچا تو ہارونؑ کو دیکھا تو انہوں نے کہا یہ ہارونؑ ہیں آپ ان کو سلام کریں میں ان کو سلام کیا تو وہ جواب دیئے پھر فرمائے اخ صالح اور نبی صالح کے لئے خوش آمدید پھر مجھے اوپر لے کر چلے یہاں تک کہ چھٹے آسمان پر آئے اور دروازہ کھولنے کیلئے کہا تو کہا گیا کون ہے تو کہا جبریل ہوں تو کہا گیا اور آپ کے ساتھ کون ہیں تو کہا حضرت محمدؐ ہیں تو کہا گیا ان کی طرف بھیجا گیا؟ تو کہا ہاں تو کہا گیا خوش آمدید کیا خوب تشریف آوری ہے اور دروازہ کھولا گیا اور جب اس میں پہنچا تو موسیٰؑ کو دیکھا تو اس نے کہا یہ موسیٰ ہیں اور ان کے لئے سلامتی کی دعا فرمائیں تو میں ان کو سلام کیا تو وہ جواب دیئے پھر فرمایا اخی صالح نبی صالح (صاحب صلاحیت بھائی اور صاحب صلاحیت نبی) کیلئے خوش آمدید اور جب میں آگے بڑھا تو وہ روئے[2] ان سے کہا گیا آپ کو کیا چیز رلا رہی ہے تو فرمایا میں اس لئے رو رہا

---

1 فـفـتـح. (دروازہ کھولا گیا) اس میں اس بات کا اعلان ہے کہ یہ آسمان کا دروازہ صرف ان ہی کے لئے کھولا جاتا ہے جو علو مرتبت اور وصف محبت سے متصف ہو۔ اور دشمنوں کے لئے آسمانوں کے دروازے بالکل نہیں کھولے جاتے سوئی کے ناکے سے جمل گزر بھی جائے تو بھی نہیں کھولے جاتے۔ (مرقات)

2 قولہ: بکی. موسیٰ علیہ السلام روئے علماء نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام کا رونا معاذ اللہ حسد کی بناء پر نہیں تھا کیونکہ اس عالم میں حسد ایک ایک مسلمان کے دل سے نکال دیا گیا ہے۔ پھر ان حضرات سے کیسے ہوسکتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ منتخب کرلیا ہے بلکہ یہ رونا اپنی امت پر افسوس کی بناء پر تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے متبعین کی اتنی کثرت نہیں ہوئی جس قدر کثرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی ہے۔

ہوں کہ یہ نوجوان ؑ میرے بعد مبعوث ہوئے ان کی امت کے لوگ میری امت کے مقابلہ میں زیادہ جنت میں جائیں گے پھر مجھے ساتویں آسمان پر چڑھایا گیا اور جبریلؑ نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا۔ تو کہا گیا کون ہے تو کہا جبریل ہے تو کہا گیا آپ کے ساتھ کون ہیں تو کہا گیا حضرت محمدؐ ہیں اور کیا ان کی طرف بلانے کے لئے بھیجا گیا تھا؟ تو کہا گیا ہاں تو کہا گیا خوش آمدید ہو وہ تشریف لائے کتنی اچھی تشریف آوری ہے جب میں وہاں پہنچا تو ابراہیمؑ کو دیکھا تو جبریل نے کہا یہ آپ کے والد ابراہیم ہیں آپ ان کو سلام کیجئے تو میں ان کو سلام کیا تو وہ سلام کا جواب دیئے پھر فرمایا

اور علامہ ابن ابی حمزہ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے انبیاء علیہم السلام کے دلوں میں دوسروں سے زیادہ رحمت رکھا ہے اسی لئے ان کا رونا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر مہربانی وشفقت کی بناء بطور خوشی ہے۔ (ماخوذ از توشیح)

1 **قولہ غلاما.** (طاقتور نوجوان) علامہ کرمانی نے فرمایا غلام کا ذکر حقارت یا چھوٹے پن کے لئے نہیں بلکہ اس میں اللہ تعالی کی طرف سے آپ کی تعظیم اور اس کے خاص کرم کا ذکر ہے کہ عمر کم ہونے کے باوجود اللہ تعالی کا آپ پر ایسا کرم ہے جو بڑی عمر والوں پر نہیں ہوا ہے اور کبھی غلام کا ذکر کر کے طاقتور وپھرتیلا نوجوان مراد لیتے ہیں۔ اسی لئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ ہجرت فرما کر رونق افروز ہوئے تو اہل مدینہ نے آپ کو شاب (نوجوان) سے یاد کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی کم عمر ہونے کے باوجود شیخ سے ذکر کیا۔ (ماخوذ از مرقات ولمعات)

2 **فنعم المجیئی جاء.** (بہت خوب آنا ہے آپ جو تشریف لائے) یہ جملہ تمام انبیاء علیہم السلام کی زبانوں پر جاری تھا اس میں یہ بتانا ہے زبان خلق کو نقارۂ خدا جانو۔ یہاں فَفُتِحَ کا لفظ نہیں ہے ہوسکتا ہے یہ لفظ راوی سے چھوٹ گیا ہو یا ماسبق پر اکتفاء کیا گیا ہو اور **فلما خلصت فاذا ابراهيم** سے بھی اس بات پر دلالت موجود ہے۔

3 **قولہ: فسلم علیہ.** (آپ ان کو سلامتی کی دعا دیجئے) ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالی کے مشاہدہ کمال درجہ مستغرق تھے جیسا کہ **مازاغ البصر وما طغی** سے ظاہر ہوتا ہے، یہی وجہ ہے جبریل علیہ السلام کے لئے ہر مقام

ابن صالح ونبی صالح (صاحب صلاحیت صاحبزادے اور صلاحیت والے نبی) کے لئے خوش آمدید۔

پھر مجھے اوپر سدرۃ المنتہی تک پہنچایا گیا تو میں بیر دیکھا جو مقام ہجر کے مٹکوں کے مثل تھے اور

پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جانب متوجہ کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ علامہ حافظ سیوطی نے فرمایا یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجساد اپنی قبور میں قرار پائے ہوئے ہیں، تو پھر وہ آسمانوں پر کس طرح آئے تو اس کے جواب میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کی روحیں ان کے اس جسم کی شکل اختیار کرکے آئیں یا اللہ تعالی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتشریف کے لئے ان کے اپنے جسموں کو وہاں آپ سے ملاقات کرنے کی غرض سے بھیج دیا۔ اور اب رہا یہ کہ مختلف آسمانوں میں مختلف انبیاء علیہم السلام سے ملاقات میں کیا حکمت ہے اس میں مختلف اقوال ہیں مشہور بات یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام ان کے اپنے مراتب کے مطابق ہیں، اب ایک بات یہ باقی ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا ذکر نہیں آیا اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ تمام انبیاء سب کے سب اپنے اپنے مقام کے مناسب آسمانوں میں موجود رہے ہوں اور ان میں سے صرف ایک ایک کے ذکر پر جو مشہور ہیں اکتفاء کیا گیا ہو۔ (مرقات)

قولہ: ثم رفعت الی سدرۃ المنتھی (پھر میرے سامنے سدرۃ المنتہی آ گیا) اس سے مراد آپ سدرۃ المنتہی تک چڑھ گئے اور وہ آپ کے سامنے ظاہر ہو گیا رفع الی الشئی کسی چیز سے قریب ہونے کے لئے کہا جاتا ہے۔ علامہ نووی نے فرمایا اس کا نام سدرۃ المنتہی اس لئے ہے کہ فرشتوں کا علم وہیں تک ختم ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی بھی اس سے آگے نہیں گئے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اس کا نام سدرۃ المنتہی اس لئے ہے کہ اوپر سے اللہ تعالی کے جو اوامر آتے ہیں اور نیچے سے جو اوامر اوپر چڑھتے ہیں وہ یہاں آکر رکتے ہیں، اور امام سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا سدرۃ کی منتہی کی طرف اضافت اس لئے ہے کہ وہ ایسا مقام ہے کہ بندوں کے اعمال اور مخلوق کے علوم سب کے سب اس جگہ رک جاتے ہیں اور انبیاء اور فرشتوں میں سے کوئی بھی ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اس سے آگے نہیں گئے اور یہ سدرہ ساتوں آسمان میں ہے اور اس کی جڑ چھٹے آسمان میں ہے۔

وقولہ: مثل قلال ھجر (ہجر کے مٹکوں کی طرح) قلال میں ق کو زیر (کسرہ) ہے اور قلۃ کی جمع ہے اور قلہ کے قاف

اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کے مثل ہیں اس نے کہا یہ سدرۃ المنتہی ہے اور چار نہروں کو دیکھا دو باطنی نہریں اندر جاری ہیں تو اس نے کہا باطنی[1] دو نہریں جنت کی نہریں ہیں اور ظاہری دو نہریں تو

کو پیش ہے۔ لفظ ہجر اور جیم دونوں کو زبر (فتحہ) ہے یہ مقام کا نام ہے یہاں مٹکے بکثرت تیار کئے جاتے تھے اور لفظ فیلۃ (ہاتھیاں) ف کو زیر (کسرہ) اور ی کو زبر (فتحہ) ہے اور یہ فیل کی جمع ہے اور یہ لوگوں کے فہم کے مطابق مثال ہے اس کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں۔ (ماخوذ از مرقات)

1۔ **قوله أما الباطنان فنهران في الجنة** (دو باطنی نہریں تو وہ دو نہریں جنت میں ہیں) علامہ ابن الملک نے فرمایا جیسا کہ حدیث شریف ہے ان میں سے ہر ایک نہر کو کوثر کہا جاتا ہے اور دوسرے کو نہر رحمت کہا جاتا ہے ان کو باطنی نہر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں نہریں عقل سے ماوراء ہیں کہ اس کی حقیقت تک انسانی عقل نہیں پہونچ سکتی یا دیکھنے والوں کی نگاہوں سے وہ پوشیدہ ہیں جنت میں پہنچنے تک دکھائی نہیں دیتے۔

وقوله: وأما الظاهران (اب رہے ظاہری دو نہریں) یہ دریائے فرات اور دریائے نیل ہیں۔ علامہ قاضی نے فرمایا حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ سدرۃ المنتہی کی جڑ زمین میں ہے کیونکہ دریائے نیل وفرات اسکی جڑ سے نکلتی ہیں۔ علامہ ابن الملک نے فرمایا ہوسکتا ہے ان سے مراد وہ نہریں ہیں جو مشہور ہیں اور ان کا پانی سدرہ کی جڑ سے نکلتا ہو۔ اگر چیکہ اس کی کیفیت معلوم نہ ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے اس میں استعارہ ہو اور اس میں نیل وفرات کو جنت کی دو نہروں سے اس کے خوشگواری اور مٹھاس میں تشبیہ دی گئی ہو۔ یا یہ بھی ہوسکتا ہے یہ صرف ناموں میں اتفاق ہو یعنی جنت کی دو نہریں دنیا کی ان دو نہروں کا نام ایک ہو۔ (مرقات)

اور شرح مسلم میں ہے علامہ مقاتل نے فرمایا باطنی دو نہریں سلسبیل اور کوثر اور ظاہری دو نہریں نیل وفرات ہو اور یہ دو نہریں سدرۃ کی جڑ سے نکلتی ہوں پھر اللہ تعالیٰ جہاں ارادہ فرمایا چلتی ہیں پھر زمین سے نکلتی ہیں اور زمین میں بہتی ہیں اور اس میں شرعاً اور عقلاً اس میں کوئی مانع رکاوٹ نہیں ہے۔ اور حدیث شریف سے یہ بات ظاہر ہے اور اس لئے اس کو اختیار کیا جانا ضروری ہے۔ (مرقات)

نیل اور فرات ہیں، پھر میرے لئے بیت المعمور دکھایا گیا[1] پھر میرے سامنے ایک برتن شراب کا ایک برتن دودھ کا اور ایک برتن شہد کا لایا گیا تو میں دودھ کو لے لیا[2] تو اس نے کہا یہ فطرت ہے جس پر آپ اور آپ کی امت ہے پھر[3] مجھ پر ہر دن کیلئے پچاس نمازیں فرض کی گئیں پس میں واپس ہوا اور موسیٰ کے پاس سے گزرا تو انہوں نے کہا[4] آپ کو کس چیز کا حکم ملا ہے تو میں نے کہا مجھے ہر روز پچاس نمازوں کا حکم ملا ہے تو انہوں نے کہا آپ کی امت روزانہ پچاس نمازوں کی طاقت نہیں رکھے گی اور میں خدا کی قسم آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کیا ہوں اور بنی اسرائیل کے ساتھ تو شدت سے تجربہ کیا

1۔ **قولہ ثم رفع لی** (یعنی میرے واسطے بیت معمور کو قریب کر دیا گیا اور ظاہر کر دیا گیا اور یہ ساتویں آسمان میں کعبۃ اللہ کے بالکل مقابل میں ہے آسمان میں اس کا احترام ایسا ہی ہے جیسے زمین میں کعبۃ اللہ کا احترام ہے۔

2۔ **فاخذت اللبن.** علامہ ابن الملک نے فرمایا تم اس بات کو جانو! لڑکے کی تربیت سب سے پہلے جب دودھ سے ہوتی ہے تو عالم مقدس میں ہدایت و فطرت کو دودھ کی صورت میں پیش کیا گیا۔ جس سے قوت روحانیہ کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور یہی ابدی سعادت کی استعداد و تیاری ہے اس کی ابتداء شریعت کی اتباع ہے اور اس کی انتہاء وصول الی اللہ ہے۔ **قولہ ھی الفطرۃ** (یہی فطرت ہے) ہی کا مرجع لبن ہے خبر کی رعایت کرتے ہوئے اس کو مؤنث لایا گیا۔ (مرقات)

3۔ **ثم** (پھر) یعنی **مقام دنا فتدلٰی فکان قاب قوسین او ادنی فاوحی الی عبدہ ما اوحی** کے بعد مجھ پر پانچ نمازیں فرض کی گئیں اور آنے والی حدیث جس میں ہے کہ میری امت پر فرض کیا ان دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ (مرقات)

4۔ **قولہ : فقال الخ** (اس مقام پر موسیٰ علیہ السلام کے گفتگو کرنے کی خصوصیت اس لئے ہوسکتی ہے دنیا میں تمام پیغمبروں میں صرف موسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ سے گفتگو کرنے کی خصوصیت حاصل رہی ہے اور انہوں نے ہماری امت پر اس معاملہ میں خیر خواہی اور شفقت کرنے میں اسقدر مبالغہ کیا کہ یہ کسی دوسرے پیغمبر سے اسقدر ظاہر نہیں ہوا۔ (لمعات)

ہوں آپ اپنے رب کے پاس واپس جائیں[1] اور اس سے اپنی امت کے لئے تخفیف کا سوال کریں تو میں واپس گیا تو رب نے مجھ سے دس کم کیا[2] میں موسیٰ کے پاس واپس آیا تو موسیٰ نے پہلے کے جیسا ہی فرمایا تو میں واپس ہوا تو رب نے مجھ سے دس کم کیا اور میں موسیٰ کے پاس سے گزرا تو موسیٰ نے پھر ویسی ہی بات فرمائی تو میں پھر واپس گیا تو اس نے مجھ سے پھر دس کم کر دیا اور میں موسیٰ کے پاس سے گزرا تو انہوں نے پھر وہی بات فرمایا پھر میں واپس گیا تو رب تعالیٰ نے مجھ سے دس کم کیا اور

1۔ **قولہ فارجع الی ربك** (اپنے رب کی طرف پلٹ کر جائیے) نماز کے بارے میں موسیٰ علیہ السلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بار بار یہ مراجعت اس لئے ہوئی کہ آپ دونوں کو یہ معلوم تھا کہ پہلا حکم واجب اور ضروری نہیں تھا آپ کا مراجعت کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حکم اول واجب نہیں تھا کیونکہ جو چیز واجب ہوجاتی ہے تو وہ تخفیف کو قبول نہیں کرتی اور یہ بات علامہ طیبی نے فرمائی اور علامہ ابن الملک نے بھی اس کی اتباع کی ہے۔

لیکن میں کہتا ہوں کہ جب کوئی چیز واجب نہیں ہوتی تو اس میں تخفیف کے سوال کی ضرورت نہیں ہوتی، اس لئے صحیح بات تو وہ ہے جو کہی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شروع میں پچاس نمازوں کو فرض کیا پھر بندوں پر مہربانی سے منسوخ کرکے پانچ نمازیں قائم رکھ دیا جیسا کہ بعض علماء کے پاس رضاعت کی آیت ہے اور ایک قول کے مطابق بیوہ عورت کی عدت بھی اسی قبیل کی ہے۔ اور اس میں دلیل ہے اس بات کی کہ کسی چیز میں قبل وقوع نسخ جائز ہے۔ اکثر علماء نے یہ بات فرمائی ہے اور یہی صحیح ہے۔ اور معتزلہ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ قبل وقوع نسخ جائز نہیں۔ امام نووی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ (مرقات)

2۔ **قولہ: فوضع عنی عشر** (اس نے مجھ سے دس کم کر دیئے) اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ دس دس کم کئے گئے پھر پانچ کم کئے گئے اور آگے ایک روایت آرہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ پانچ کم کئے گئے اور اس روایت میں ایک تیسرے برتن کا اضافہ ہے جو شہد کا برتن ہے ہوسکتا ہے اس روایت میں دو دو کو ایک دفعہ سے ذکر کیا گیا ہو اور عدم ذکر عدم وجود پر دلالت نہیں کرتا اور اختصار کی غرض سے اسکو پانچ پانچ کے بجائے دس دس کے عدد سے بیان کر دیا گیا ہو۔

(ماخوذ از مرقات)

مجھے ہر روز کے لئے دس نمازوں کا حکم دیا گیا تو میں موسیٰ کی طرف واپس آیا تو پھر انہوں نے ویسی ہی بات کہی تو میں پھر رب کے پاس واپس ہوا تو مجھے ہر روز کے لئے پانچ نمازوں کا حکم دیا گیا تو موسیٰ نے کہا آپ کو کیا حکم ملا ہے تو میں بتایا کہ مجھے ہر روز کے لئے پانچ نمازوں کا حکم ملا ہے تو انہوں نے کہا آپ کی امت روزانہ پانچ نمازوں کی طاقت نہیں رکھے گی اور میں آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کیا ہوں[1] اور بنی اسرائیل سے تو خوب آزمایا ہوں اپنے رب کے پاس واپس جائیں اور اپنی امت کے لئے تخفیف کے لئے سوال کریں۔ تو میں نے کہا میں اپنے رب سے سوال کرتا رہا یہاں تک کہ مجھے شرم آگئی ہے اور لیکن میں راضی ہوں[2] اور معاملہ حوالے کردیتا ہوں، اور آپ ﷺ نے

1۔ **قولہ: عالجت** (میں بہت تجربہ کیا ہوں) میں ان کے ساتھ تجربہ کیا ہوں اور میں نے ان کو جن امور میں فرمانبرداری کرنے کے لئے کہا تو ان سے مجھے سختی ملی طیبی اور قاموس میں ہے **عالجہ علاجا ومعالجۃ** کے معنی **زاولہ وداواہ** ہے زمین کے ساتھ تجربہ کیا۔

2۔ **ولکنی ارضیی.** یعنی میرے رب نے میرے لئے جو فیصلہ کیا اور تقسیم کیا اس سے میں راضی ہوں اور میں اپنا اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے اور سپرد کرتا ہوں اور اللہ نے جو حکم فرمایا اس کی تابعداری کرتا ہوں۔

علامہ طیبی نے فرمایا لفظ لکن کے لئے ضروری ہے کہ وہ دو ایسے کلاموں کے درمیان واقع ہو جس میں تغایر معنوی ہوتا ہے اور وہ یہاں نہیں ہے اس کی وجہ کیا ہے تو میں کہتا ہوں کہ یہاں جملہ میں محذوفات ہیں **حتی استحییت فلا ارجع فانی اذا رجعت کنت غیر راضٍ ولا مسلم ولکنی ارضی واسلم.** یہاں تک کہ مجھے شرم آگئی اب میں واپس نہیں جاؤنگا اگر میں واپس جاؤں گا تو میں راضی نہ رہنے والا اور اللہ کے سپرد نہ کرنے والا ہوجاؤنگا اور لیکن میں راضی ہوں اور اللہ کے حوالہ کرتا ہوں۔ (مرقات)

فرمایا: جب میں آگے بڑھا تو ایک اعلان کرنے والے نے اعلان کیا میں اپنے فریضہ کو نافذ کر دیا ہوں[1] اور میرے بندوں سے تخفیف کر دیا ہوں۔ (متفق علیہ)

حضرت شیخ (عبدالحق محدث دہلوی) نے لمعات میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد میں حطیم میں تھا اور بعض دفعہ آپ نے فرمایا میں حجر میں تھا تو اس میں حنفیہ کے قول کی تائید ہوتی ہے حطیم اور حجر ایک ہی چیز ہے کیونکہ یہ ایک ہی واقعہ ہے اور حضرت ملا علی قاری نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مجھ سے کم کر دیئے گئے، اس میں اس امر کی دلیل ہے کہ کسی چیز کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے اس میں نسخ جائز ہے اور اکثر فقہاء نے یہی فرمایا ہے اور یہی بات صحیح ہے۔

اور حضرت شیخ نے فرمایا: پانچ نمازوں کی فرضیت کو نافذ کردینے اور اس میں تبدیلی نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ ان نمازوں کی فرضیت میں کلی یا جزوی کسی طور پر بھی نسخ نہیں ہوگا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس میں کسی قسم کی زیادتی نہیں ہوگی البتہ اس میں یہ جائز ہے کہ ان پانچ نمازوں کی

---

1) **قولہ: امضیت فریضتی** (میں اپنے فرض کو نافذ کر دیا) اس حدیث سے پانچ نمازوں کی فرضیت اور اس میں عدم نسخ پر استدلال کیا گیا ہے اور جو حضرات نماز وتر کو واجب قرار نہیں دیتے وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر فرضیت سے عمل اور اعتقاد دونوں حیثیت سے فرض قطعی ہونا مراد ہے تو وتر کا وجوب ایسا نہیں ہے کیونکہ وتر کا وجوب حدیث سے ثابت ہے جو ظنی الثبوت ہے۔ اسی لئے ہمارے امام اعظم نے وتر کو جس معنی میں واجب قرار دیا ہے وہ فرض قطعی کے معنی میں نہیں ہے۔ اور پانچ نمازوں کی فرضیت کا امضاء اور اس میں عدم تبدیلی سے مراد کلی یا جزئی کسی طور پر بھی اس میں عدم نسخ ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں اضافہ بھی نہیں ہوسکتا۔ اس میں یہ ممکن ہے کہ پانچ نمازوں کے بعد ایک اور نماز کے لئے وحی آئے۔ (لمعات)

فرضیت کے بعد کسی دوسری نماز کا اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

520/7062 ﴿ حضرت ثابت بنانی نے حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا میرے پاس براق لایا گیا وہ ایک سفید چوپایہ ہے، دراز گوش سے لمبا اور خچر سے چھوٹا ہے جو حد نظر پر اپنا قدم ڈالتا تھا میں اس پر سوار ہو گیا یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچا اور اس کو اس حلقہ سے باندھ دیا جس حلقہ سے انبیاء باندھتے تھے[1]۔ آپ نے فرمایا پھر میں مسجد میں داخل ہوا، اور اس میں دو رکعت نماز پڑھا[2] پھر میں نکلا تو جبریل میرے پاس ایک برتن شراب کا اور ایک برتن دودھ کا لائے[3] تو میں دودھ کو اختیار کیا تو جبریل نے کہا آپ نے فطرت کو اختیار کیا۔ پھر ہم کو آسمان کی طرف اوپر چڑھایا گیا اور سابق کے ہم معنی حدیث بیان کیا، آپ نے فرمایا میں نے دیکھا کہ میں حضرت آدم کے پاس تھا اور میرے لئے انہوں نے خوش آمدید فرمایا اور دعا خیر دی۔ اور فرمایا

1﴿ **قولہ: تربط بها الانبياء. تربط** اکثر نسخوں میں تا کے ساتھ مؤنث کا صیغہ ہے۔ جماعت الانبیاء کی تاویل میں ہے اور بعض نسخوں میں یاء کے ساتھ مذکر کا صیغہ ہے اور بھا میں ضمیر مؤنث کا مرجع حلقہ ہے، اور حواشی میں یربط بہ ضمیر مذکر کے ساتھ ہے اس میں معنی کا اعتبار کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں اپنی سواری کو اس حلقہ سے باندھا جس سے انبیاء علیہم السلام اپنی سواریوں کو باندھا کرتے تھے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انبیاء علیہم السلام اس سواری پر سواری کئے ہوں۔ (لمعات)

2﴿ **رکعتین** (یعنی دو رکعت نماز تحیۃ المسجد پڑھے اور ظاہر بات ہے کہ یہ وہی نماز ہے جس میں انبیاء علیہم السلام نے آپ کی اقتداء کی اور آپ تمام برگزیدہ پیغمبروں کے امام بنے۔ (مرقات)

3﴿ **قولہ: اناء من لبن** (دودھ کا برتن) راوی نے اس کو مختصر روایت کیا اور اس میں شہد کا ذکر چھوٹ گیا ہے۔ (مرقات)

تیسرے آسمان میں میں نے حضرت یوسف کو دیکھا کہ ان کو حسن کا نصف حصہ[1] عطا ہوا ہے تو آپ نے مجھے خوش آمدید کہا اور دعا خیر دی اور موسیٰ علیہ السلام کے رونے کا ذکر نہیں فرمایا اور فرمایا ساتویں آسمان میں دیکھا حضرت ابراہیم ہیں جو اپنی پشت کو بیت معمور سے لگائے ہوئے ہیں، اور اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں پھر دوبارہ اس کی طرف لوٹ کر نہیں آتے پھر مجھے سدرۃ المنتہی کے پاس لے کر چلے تو اس کے پتے ہاتھیوں کے کانوں کی طرح اسکے پھل مٹکوں کی طرح تھے پس جب اللہ کے حکم سے اس پر جو چیز چھا گئی چھا گئی تو وہ حسن میں اور تغیر ہو گیا[2] اللہ کی

1 قولہ: قد اعطی شطر الحسن (ان کو نصف حسن سرفراز کیا گیا) علامہ مظہر نے فرمایا اس سے مراد نصف حسن ہے، میں کہتا ہوں کہ اس میں احتمال ہے کہ اس سے مراد مطلق جنس حسن کا نصف ہو یا ان کے سارے اہل زمانہ کا حسن مراد ہو اور یہی مفہوم قابل ترجیح ہے۔ اور متاخرین میں سے بعض حفاظ حدیث نے فرمایا اور وہ ہمارے معتبر مشائخ کرام میں سے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت یوسف علیہ السلام سے بہت زیادہ حسین تھے کیونکہ یوسف علیہ السلام کے بارے میں یہ منقول نہیں ہے کہ آپ کے چہرہ کی روشنی سے دیواریں نظر آتی تھیں جیسے آئینہ میں اس کے مقابل چیز نظر آتی ہے۔ اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وصحبہ وسلم کے بارے میں یہ بات بیان کی گئی ہے۔ لیکن اللہ تعالی نے آپ کے صحابہ سے اکثر اس روشن حالت کو پردے میں رکھا کیونکہ ان کے لئے اس کو ظاہر کر دیا جاتا تو وہ آپ کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ جیسا کہ بعض محققین نے کہا ہے۔ اور اب رہا یوسف علیہ السلام کا جمال اس میں سے کچھ بھی پردے میں نہیں رکھا گیا اور اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حسن صوری و حسن معنوی کی زیادتی میں سے حسن صوری کی زیادتی سے سرفراز کیا گیا یہ، اس بناء پر ہے کہا جاتا ہے کہ ان کو میرے حسن کا آدھا دیا گیا ہے۔ (مرقات)

2 قولہ تغیرت. یعنی سدرۃ المنتہی اپنی حالت سے بھی اعلیٰ مرتبہ کی حالت میں تبدیل ہو گیا اور یہ لما کا جواب ہے۔ (مرقات)

مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے حسن کو بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور میری طرف جووحی کی گئی[1] اور مجھ پر ہر دن ورات میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں تو میں موسیٰ کے پاس اتر کر آیا تو انہوں نے کہا آپ کی امت پر آپ کے پروردگار نے کیا فرض کیا ہے تو میں نے کہا دن ورات میں پچاس نمازیں تو انہوں نے کہا آپ اپنے رب کے پاس لوٹ کر جائیں اور تخفیف کے لئے درخواست کریں۔ کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھے گی کیونکہ میں بنی اسرائیل کو آزمایا ہوں اور ان کا تجربہ کیا ہوں آپ نے فرمایا میں اپنے رب کے پاس واپس گیا اور عرض کیا اے میرے رب میری امت پر تخفیف فرمائیں تو رب نے مجھ سے پانچ نمازیں کم کردیں تو میں موسیٰ کے پاس آیا اور کہا رب نے مجھ سے پانچ نمازیں کم کیا ہے تو انہوں نے کہا آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھے گی اپنے رب کے پاس لوٹ کر جائیں اور تخفیف کے لئے درخواست کریں آپ نے فرمایا میں اپنے پروردگار اور موسیٰؑ کے درمیان مسلسل جاتا اور آتا رہا یہاں تک رب نے فرمایا اے محمدؐ

[1] قولہ و اوحی الی اوحی (اس نے میری طرف وحی کیا جووحی کیا) ما اوحی کے بیان میں علماء نے متعدد طور پر کلام کیا ہے اور ان میں احتیاط کا طریقہ جو اقرب الی الصواب ہے وہ یہ ہے کہ اس کو اس کے ابہام کے ساتھ ویسا ہی رکھا جائے اس میں اس کی عظمت پر دلالت ہے۔ کیونکہ اللہ اور اس کے رسول کے سواء اس کو کوئی نہیں جانتا اور بعض علماء نے کسی روایت سے یا ان کے استنباط سے جو ان پر منکشف ہوا اس کو بیان کیا ہے منجملہ امور کے اس میں تین باتیں یہ ہیں (۱) پانچ نمازوں کی فرضیت (۲) سورہ بقرہ کے خواتیم یعنی آخری آیتیں اور تیسری چیز یہ کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے لئے شرک کے سواء دیگر گناہ معاف کردیئے گئے۔ (لمعات)

521/7063 ابن شہاب حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا حضرت ابوذر بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے گھر کا چھت مجھ پر سے کھولدیا[1] گیا اور میں مکہ میں تھا جبریل اتر کر آئے اور میرے سینہ کو چاک کیا پھر اس کو زمزم سے دھویا گیا پھر ایمان وحکمت سے بھرا ہوا ایک سونے کا طشت لایا گیا اور اس کو میرے سینہ میں انڈیل دیا پھر اس کو جوڑ دیا پھر انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آسمان کی طرف اوپر لیکر گئے اور جب میں آسمان دنیا کے پاس پہنچا تو جبریل نے اس آسمان کے خازن سے کہا دروازہ کھولو تو اس نے کہا یہ کون ہے تو کہا جبریل ہوں اس نے کہا کیا تمہارے ساتھ کوئی ہیں تو کہا ہاں میرے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو اس نے کہا کیا ان کی طرف بھیجا گیا تھا تو کہا ہاں پس جب دروازہ کھولا گیا تو ہم آسمان دنیا پر اوپر

---

1 **فرج عنی سقف بیتی** (میرے گھر کے چھت کو میرے اوپر سے کھولا گیا) اسراء (معراج) کے مکان کے تعین میں مختلف روایات ہیں بعض میں ہے میں حطیم میں تھا اور بعض میں ہے میں حجر میں تھا بعض روایات میں ہے میں مکہ میں تھا اور بعض روایات میں ہے مجھے شعب ابی طالب سے معراج کرائی گئی اور بعض روایات میں ہے میں ام ہانی کے گھر میں تھا اور یہ روایت بہت مشہور ہے۔ اب ان تمام روایات میں صاحب فتح الباری کے بیان کے مطابق اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے آپ رات میں ام ہانی کے مکان میں تھے اور ان کا گھر شعب ابی طالب میں تھا اور آپ نے جو فرمایا کہ میرے گھر کے چھت کو کھولا گیا اس میں آپ نے گھر کی نسبت جو اپنی ذات مقدسہ کی طرف کی تو وہ اس لئے کہ آپ اس رات میں آرام فرما رہے تھے اور اس گھر میں آپ کے پاس فرشتہ آیا اور آپ کو گھر سے مسجد حرام میں لائے آپ اس وقت آرام فرما رہے تھے ابھی نیند کا اثر موجود تھا پھر آپ کو حطیم سے کعبۃ اللہ کے دروازے کے پاس لایا گیا اور براق پر آپ کو سوار کرایا گیا۔ (ماخوذ از لمعات ومرقات)

2 **ثم قولہ وانا بمکۃ** (اور میں مکہ میں تھا) یہ جملہ حالیہ ہے اور اس میں بتاتا ہے کہ یہ واقعہ مکی ہے مدنی نہیں ہے۔

(ماخوذ از لمعات ومرقات)

521/7063 ﴿ابن شہاب حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا حضرت ابوذر بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے گھر کا چھت مجھ پر سے کھولدیا[1] گیا اور میں مکہ میں تھا جبریل اتر کر آئے اور میرے سینہ کو چاک کیا پھر اس کو زمزم سے دھویا گیا پھر ایمان وحکمت سے بھرا ہوا ایک سونے کا طشت لایا گیا اور اس کو میرے سینہ میں انڈیل دیا پھر اس کو جوڑ دیا پھر انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آسمان کی طرف اوپر لیکر گئے اور جب میں آسمان دنیا کے پاس پہنچا تو جبریل نے اس آسمان کے خازن سے کہا دروازہ کھولو تو اس نے کہا یہ کون ہے تو کہا جبریل ہوں اس نے کہا کیا تمہارے ساتھ کوئی ہیں تو کہا ہاں میرے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو اس نے کہا کیا ان کی طرف بھیجا گیا تھا تو کہا ہاں پس جب دروازہ کھولا گیا تو ہم آسمان دنیا پر اوپر

1﴿ **فرج عنی سقف بیتی** (میرے گھر کے چھت کو میرے اوپر سے کھولا گیا) اسراء (معراج) کے مکان کے تعین میں مختلف روایات ہیں بعض میں ہے میں حطیم میں تھا اور بعض میں ہے میں حجر میں تھا بعض روایات میں ہے میں مکہ میں تھا اور بعض روایات میں ہے مجھے شعب ابی طالب سے معراج کرائی گئی اور بعض روایات میں ہے میں ام ہانی کے گھر میں تھا اور یہ روایت بہت مشہور ہے۔ اب ان تمام روایات میں صاحب فتح الباری کے بیان کے مطابق اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے آپ رات میں ام ہانی کے مکان میں تھے اور ان کا گھر شعب ابی طالب میں تھا اور آپ نے جو فرمایا کہ میرے گھر کے چھت کو کھولا گیا اس میں آپ نے گھر کی نسبت جو اپنی ذات مقدسہ کی طرف کی تو وہ اس لئے کہ آپ اس رات میں آرام فرمارہے تھے اور اس گھر میں آپ کے پاس فرشتہ آیا اور آپ کو گھر سے مسجد حرام میں لائے آپ اس وقت آرام فرمارہے تھے ابھی نیند کا اثر موجود تھا پھر آپ کو حطیم سے کعبۃ اللہ کے دروازے کے پاس لایا گیا اور براق پر آپ کو سوار کرایا گیا۔ (ماخوذ از لمعات ومرقات)

2﴿ **ثم قولہ وانا بمکۃ** (اور میں مکہ میں تھا) یہ جملہ حالیہ ہے اور اس میں بتاتا ہے کہ یہ واقعہ مکی ہے مدنی نہیں ہے۔

(ماخوذ از لمعات ومرقات)

چلے گئے اچانک ایک صاحب کو دیکھا بیٹھے ہوئے ہیں ان کے سیدھے جانب بھی اشخاص ہیں[1] اور بائیں جانب بھی اشخاص ہیں جب وہ اپنے سیدھے جانب دیکھتے تو خوش ہوتے اور جب وہ اپنے بائیں جانب دیکھتے تو روتے تھے تو انہوں نے کہا خوش آمدید نبی صالح اور ابن صالح کے لئے میں جبرئیل سے کہا یہ کون صاحب ہیں تو انہوں نے کہا یہ آدم ہیں اور ان کے سیدھے جانب اور بائیں جانب کے یہ لوگ ان کے بیٹوں کی اولاد ہیں اور ان میں سے سیدھے جانب والے اہل جنت ہیں

1 **قولہ : أسودة** (اشخاص) یہ سواد کی جمع ہے جیسے زمان کی جمع ازمنہ ہے اور اس کے معنی شخص ہے کیونکہ وہ دُور سے کالا نظر آتا ہے یعنی وہ اشخاص آدم علیہ السلام کی اولاد تھے۔ **وقولہ : قلت لجبرئیل من هذا** (میں نے جبریل سے کہا یہ کون ہیں) اس سے ظاہر ہے کہ آپ نے یہ استقبال ہونے کے بعد سوال فرمایا لیکن مالک بن صعصعہ کی روایت اس کے برخلاف ہے اور قابل اعتماد ہے پس اس روایت کو اس پر محمول کیا جائیگا کیونکہ اس میں اداۃ تمثیل نہیں ہے لیکن میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ سوال میں ہذا کا مشار الیہ اسودۃ ہے اور جواب میں آدم علیہ السلام کا ذکر خطاب کے اصل مقصود کو اس پر عطف کرنے کے لئے لایا گیا ہے اور راوی کا کلام درست ہو گیا۔

قولہ: والاسودة التي عن شمائله اهل النار. امام قاضی نے فرمایا حدیث میں آیا ہے کہ کفار کی روحیں سجین میں قید ہیں اور نیک لوگوں کی روحیں علیین میں نعمت سے سرفراز ہیں تو وہ آسمان میں کس طرح سے جمع ہو گئے تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس بات کا احتمال ہے کہ ان کو چند اوقات میں آدم علیہ السلام کے پاس پیش کیا جاتا ہوگا اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اس مقام سے گزران ارواح کے پیش ہونے کے وقت میں ہوا ہوگا اور جنت آدم علیہ السلام کے سیدھے جانب میں اور دوزخ بائیں جانب میں تھی تو آپ کیلئے ان دونوں سے حجاب اٹھالیا گیا اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ جو جانیں دکھائی دے رہی تھیں وہ وہ تھیں جو اب تک جسم میں داخل نہیں ہوئی تھیں اور وہ جسموں سے پہلے پیدا کردی گئی ہیں اور ان کا ٹھکانہ آدم علیہ السلام کے سیدھے اور بائیں جانب ہے اور اس میں اس کا کیا انجام ہونے والا ہے بتا رہے تھے۔

وقولہ نسم بنية: یہ عام مخصوص عنہ ہے۔ واللہ اعلم۔ (ماخوذ از مرقات)

اوران کے بائیں جانب کے لوگ اہل دوزخ ہیں۔اور آپ جب اپنے سیدھے جانب دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے اور جب اپنے بائیں جانب دیکھتے ہیں تو روتے۔ یہاں تک کہ مجھے دوسرے آسمان پر چڑھایا گیا اوراس نے اس کے خازن سے کہادروازہ کھولو تو اس کے خازن نے ان سے ویسا ہی کہا جیسا پہلے والے نے کہا تھا انسؓ نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ نے آسمان میں حضرات آدم وادریس وموسیٰ وعیسیٰ اور ابراہیم کو پایا اوران کے مقامات کیسے تھے ان کو یادنہیں رہے۔سوائے اس کے کہ انہوں نے ذکر کیا کہ آپ نے آدم علیہ السلام کو آسمان دنیا میں[1] اور حضرت ابراہیم کو چھٹے آسمان میں پایا اور ابن شہاب نے کہا مجھے ابن حزم نے خبر دی کہ ابن عباسؓ اور ابوحبہ انصاری کہا کرتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پھر چڑھایا گیا یہاں تک کہ میں مستوی پر پہنچا[2]

1﴾ **وقوله وجد آدم فیی سماء الدنیا:** اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، **وقوله ابراهیم فی السماء السادسة** (ابراہیم علیہ السلام کو چھٹے آسمان میں پایا، یہ شریک عن انس کی روایت کے موافق ہے اور باقی تمام روایتوں میں جو ثابت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام ساتویں آسمان میں ہیں اس کے خلاف ہے اس کے جواب میں اگر ہم یہ کہیں کہ معراج ایک سے زائد مرتبہ ہوئی ہے تو اب اس میں کوئی اشکال نہیں ورنہ جو روایت کثرت سے آئی ہے وہ قابل ترجیح ہے کیونکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آپ نے ان کو بیت المعمور سے اپنی پشت ٹیک لگائے ہوئے دیکھا ہے اوراس میں کوئی اختلاف نہیں کہ بیت المعمور ساتویں آسمان میں ہے اور یہ اس لئے بھی ہے کہ یہاں انہوں نے فرمایا کہ ان کے مقامات کے بارے میں کہ وہ کیسے ہیں ان کو یاد اور جنہوں نے ان کے مقامات کو روایت کیا وہ روایت قابل ترجیح ہوگی۔(مرقات)

2﴾ **قوله ظهرت.** (اس کے معنی علوت ہیں یعنی میں اوپر چڑھ گیا۔**وقوله: لمستوىً**. مستوی میں واؤ کو تنوین ہے اس کے معنی ہیں ٹھکانا بلند مقام اور **لمستوی** میں لام تعلیلیہ ہے یعنی میں مستوی پر چڑھنے کے لئے اوپر چڑھ گیا

جس میں قلموں کے لکھنے کی آواز سنتا تھا، اور ابن حزم اور حضرت انس نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پس اللہ نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کیا تو میں اس کو لیکر واپس ہوا یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو انہوں نے کہا اللہ نے آپ کے ذریعہ آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے تو میں نے کہا پچاس نمازیں فرض کیا ہے تو انہوں نے کہا آپ اپنے رب کے پاس لوٹ کر جایئے آپ کی امت طاقت نہیں رکھے گی انہوں نے مجھے واپس بھیجا تو رب نے اس کا ایک حصہ معاف کر دیا تو میں موسیٰ کے پاس لوٹ کر آیا اور کہا رب نے اس کا ایک حصہ معاف کر دیا تو انہوں نے کہا اپنے رب کی طرف لوٹ کر پھر جایئے کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھے گی تو میں پھر لوٹ کر گیا اور لوٹ کر جاتا رہا تو رب نے اس کا ایک حصہ معاف کر دیا[1] اور میں ان کے

اور ہو سکتا ہے لام اس میں الی کے معنی میں ہو اور ایک قول ہے یہ لام اس میں علی کے معنی میں ہے۔ وقولہ: صریف الاقلام قلموں کے لکھنے کی آواز یعنی اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور اس کی وحی اور لوح محفوظ سے ان کو نقل کرنے اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ چاہا ان سب امور کو فرشتے جو لکھتے ہیں ان کے اس لکھنے کی آواز مراد ہے۔

قاضی عیاض نے فرمایا اس میں اہل سنت کے مذہب کی دلیل ہے کہ اس بات پر ایمان رکھنا ہے کہ وحی الٰہی اور تقدیریں جو لوح محفوظ سے اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں جو قلموں سے اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں لکھی جاتی ہیں جیسا کہ احادیث میں آیا ہے وہ سب صحیح ہیں، لیکن اس کی کیفیت اور کیا صورت ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور ان قلموں کی کیفیت بھی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اور جن لوگوں کی نظر تحقیق کمزور ہے وہ لوگ اس میں تاویل کرتے اور اس کے ظاہری معنی سے اس کو ہٹاتے اور پھیر دیتے ہیں جبکہ عقلی دلائل کی روشنی میں یہ محال نہیں ہے۔ **وقولہ وقال ابن حزم وانس** کا **فاخبرنی ابن حزم** پر عطف ہے اور یہ ابن شہاب زہری کا مقولہ ہے۔ (مرقات)

[1] **قولہ فوضع شطرھا.** یعنی پچاس نمازوں میں چند نمازوں یعنی پانچ نمازوں کو کم کیا جن کا ذکر دس کے ذریعہ کیا گیا یا جیسا کہ گذرا دس کا ذکر کیا گیا جو در اصل پانچ ہیں۔

پاس واپس آیا تو انہوں نے کہا آپ اپنے رب کے پاس اور لوٹ کر جائیں کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھے گی تو میں لوٹ کر گیا تو رب نے فرمایا یہ پانچ ہیں اور یہ پانچ پچاس 50 ہیں اور میرے پاس بات میں بتدیلی نہیں ہوتی[1] تو میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا تو انہوں نے کہا آپ اپنے رب کے پاس پھر لوٹ کر جایئے تو میں نے کہا اس میں میرے رب سے شرم آگئی پھر مجھے لے کر چلے یہاں تک کہ مجھے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس پہنچائے اس پر متعدد رنگ چھاگئے میں نہیں بتا سکتا کہ وہ کیا کیا ہیں پھر مجھے جنت میں داخل کیا گیا تو اس میں موتی کے گنبدیں تھیں[2] اور اس کی مٹی مشک تھی۔ (متفق علیہ)

522/7064 حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت انہوں نے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں بلایا گیا تو سدرۃ المنتہیٰ تک آپ کو لے جایا گیا اور یہ چھٹے آسمان میں[3] ہے اور جو

قولہ: فقال (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) یعنی آپ کی آخری مراجعت کے وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ادا کرنا تو پانچ نمازوں کو ہے مگر پچاس ہیں یعنی اس کا اجر وثواب پچاس کا ہے۔ (مرقات)

1 قولہ: لا یبدل القول لدی. علامہ طیبی نے فرمایا: استحییت من ربی. میرے رب سے مجھے شرم آگئی یہ مناسب بات نہیں ہے تو میں کہتا ہوں کہ یہ مناسب مقام ہے اسکو عدم تبدیل کا علم ہونے سے پہلے پر محمول کیا جائے۔

قولہ : ثم انطلق بی حتی انتھی بی. اس میں دونوں صیغے بھی فعل مجہول ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ مجھے لے جایا گیا، اور سدرہ تک پہنچادیا گیا۔ (مرقات)

2 قولہ: جنابذ اللؤلؤ. جنابذ جمع ہے اس کا واحد جنبذۃ ہے اور جیم کو پیش اور نون کو جزم اور ب کو پیش۔ جنبذۃ ایسی چیز کو کہتے ہیں جو زمین کے اوپر بلند اور گول ہوتی ہے اور عامۃ الناس ج کو زبر (فتحہ) کے ساتھ بولتے ہیں اور یہ گنبد کا معرب ہے۔ (لمعات ومرقات)

3 قولہ وھی فی السادسۃ (اور وہ چھٹے آسمان میں ہے) ایک شارح نے کہا کہ سدرۃ کا چھٹے آسمان میں ہونے کا

چیز زمین سے اوپر اٹھائی جاتی[1] ہے وہاں تک پہنچی ہے پھر وہاں سے لے لی جاتی ہے اور جو چیز اس کے اوپر سے اتاری جاتی ہے وہاں تک پہنچتی ہے پھر وہاں سے لے لی جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا سدرہ پر جو چیز چھارہی تھی وہ چھارہی تھی انہوں نے کہا[2] وہ سونے کے ٹڈے تھے اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزیں عطا کی گئیں، پانچ نمازیں دی گئیں، اور سورہ بقرہ کی آخری آیتیں

ذکر کسی راوی کا وہم ہے اور صحیح بات وہ ہے جو اکثر جمہور کے پاس مشہور ہے وہ ساتویں آسمان میں ہے۔ علامہ قاضی نے فرمایا ساتویں آسمان میں ہونے کی بات قابل ترجیح ہے اور امام نووی نے فرمایا ان دونوں روایتوں کو جمع کرنا ممکن ہے اس طرح کہ اس کی جڑ چھٹے آسمان میں اور اس کا اکثر حصہ ساتویں آسمان میں ہو۔ (ماخوذ از مرقات)

1 ﴾ **قولہ: الیھا ینتھی ما یعرج من الارض** (زمین سے جو شئی اوپر جاتی ہے اس کے پاس رکتی ہے) اس سے مراد جو اعمال اور جو روحیں نیچے کی جہت میں رہنے والی اوپر چڑھتی ہیں۔ **قولہ والیھا ینتھی ما یھبط بہ من فوقھا** اس سے مراد وحی اور وہ احکام ہیں جو اوپر کی جہت سے نیچے اترتے ہیں۔

2 ﴾ **قولہ: قال** (انہوں نے کہا) یعنی ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے **ما یغشی** کی تفسیر میں فرمایا وہ سونے کے ٹڈے ہیں۔ علامہ طیبی نے فرمایا اگر تم پوچھو کہ اس حدیث شریف میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دوسری حدیث شریف جس میں یہ ہے کہ اس پر متعدد رنگ چھاگئے جن کو میں نہیں بتاسکتا۔ ان دونوں حدیثوں میں کس طرح تطبیق وتوفیق ہوگی تو میں کہتا ہوں کہ **غشیھا الوان ادری ما ھی** میں اور **اذ یغشی السدرۃ ما یغشی** میں ان کو ابہام میں رکھ کر ان کی عظمت کو ظاہر کرنا مقصود ہے ورنہ وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہیں جیسا کہ فرعونیوں کے بارے میں آیا ہے **فغشیھم من الیم ما غشیھم** دریا میں سے جو چیز ان کو ڈھانک دی (دونوں جگہ شئی معلوم ہے مگر وہ بیان سے باہر ہے)

قولہ: ھنا فراش من ذھب (یہاں آپ کا فرمانا کہ وہ سونے کے ٹڈے ہیں) یہ اس کا **ما یغشی** بیان ہے، میں کہتا ہوں واللہ اعلم راجح قول یہ ہے کہ **ما یغشی** میں بہت سی چیزیں ہیں جو شمار سے زیادہ احاطہ بیان سے باہر ہیں۔ اور جب خود سدرۃ منتہی کی کیفیت بیان سے باہر ہے تو جو شئی اس کے اوپر چھائے کس طرح احاطہ علم میں آسکتی ہے

دی گئیں[1] اور آپ کی امت سے اس شخص کے لئے مہلکات معاف کردیئے گئے جو اللہ کے ساتھ کسی

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بعض چیزوں کو دیکھا یا دیکھی گئیں اس میں اور اس میں منافات نہیں ہے اور اس طرح سے تمام روایات کے درمیان میں جمع وتوفیق ہوسکتی ہے۔ (مرقات)

[1] **قولہ: واعطی خواتیم سورۃ البقرۃ** (اور سورہ بقرہ کے آخری آیات عطاء کی گئیں) اگر تم یہ پوچھو کہ سورہ بقرہ کی آخری آیتوں کا معراج میں عطا ہونا صحیح مسلم وغیرہ کی حدیث کے بظاہر خلاف معلوم ہوتا ہے صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے اپنے اوپر سے ایک آواز سنی تو سر اٹھایا اور فرمایا یہ فرشتہ ہے جو آج سے پہلے زمین پر کبھی نہیں اترا تھا اور وہ سلام کیا اور کہا کہ آپ کے لئے مبارک ہو دو نور جو آپ کو سرفراز کیے گئے ہیں وہ آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی آخری آیات ان میں سے ایک حرف بھی پڑھا جائیگا تو میں اس کو ضرور عطا کرونگا۔ تو میں اس کے جواب میں یہ کہوں گا کہ ان میں کوئی منافات نہیں کیونکہ یہ عطاء آسمان میں منجملہ ان چیزوں کے ہے جو اوحی الی عبدہ ما اوحی میں ہے نمازوں کا مقام اعلیٰ میں عطاء کیا جانا اس کے لئے قرینہ ہے اور جو عطا کی گئی اس کی عظمت کے لئے اور تمام انبیاء علیہم السلام کے درمیان آپ کے خصائص کی بشارت دینے کے لئے معظم فرشتہ کا اترنا ہوا ہے اور ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ سورہ بقرہ مدنی ہے اور واقعہ معراج بالاتفاق مکہ مکرمہ میں واقع ہوا ہے تو اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ سورہ بقرہ میں سے اس کے آخری آیتیں مستثنیٰ ہیں یہ معراج میں عطاء ہوئی ہیں، ماتقی کا مدینہ منورہ میں نزول ہوا اور پورے سورہ بقرہ کا مدنی ہونا اسکی اکثر آیات کے اعتبار سے ہے۔ علامہ ابن الملک نے حسن بصری ابن سیرین اور مجاہد سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کے واسطہ کے بغیر شب معراج میں اس کی وحی فرمائی ہے اس لئے ان حضرات کے پاس یہ مکی ہے۔

اور جمہور کے قول کے مطابق اس کا جواب یہ ہے کہ یہ پورا سورہ مدنی ہے۔ علامہ تورپشتی نے کہا ہے کہ اعطی کے معنی حضور علیہ الصلاۃ والسلام پر نازل ہونا نہیں ہے بلکہ ان آیتوں میں جو دعا سکھائی گئی **غفرانک ربنا** سے **انت مولانا فانصرنا علی القوم الکفرین**۔ تک اس کی قبولیت کا اعلان ہے اور سائلین و دعا کرنے والوں میں سے اس شخص کے لئے بھی جو اس کے حق ادا کرتا ہے قبولیت کا اعلان کیا گیا۔ (مرقات)

چیز کو شریک نہیں کرتا۔ (مسلم)

اور حضرت عبدالحق محدث نے کتاب لمعات میں فرمایا: ان آیات کے یہاں عطاء کرنے سے مراد ان آیات کے معانی اور اس کے مضمون کی عطاء کردہ مراد ہے۔ اور علامہ طیبی نے فرمایا خلاصہ یہ ہے ان کی عظمت اور اہتمام شان کی خاطر وحی کی تکرار ہوئی ہے۔ شب معراج میں فرشتہ کے واسطہ کے بغیر ہوئی پھر مدینہ منورہ میں حضرت جبریل امین کے واسطہ سے وحی آئی اور اس سے یہ بات پوری ہو جاتی ہے کہ سارا قرآن مجید جبریل امیں کے واسطہ سے نازل ہوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **نزل به الروح الامين على قلبك لتكون من المنذرين** آیا ہے۔

نیز یہ فرمایا کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو ایسے مقامات ہیں جن میں اولین و آخرین رشک کریں گے ان میں سے ایک دنیا میں شب معراج کا واقعہ ہے اور ان میں سے دوسرا آخرت میں مقام محمود پر سرفرازی ہے اور ان دونوں مقامات سے اس امت مرحومہ کی شان معلوم ہوتی۔ (لمعات)

قوله: وغفر (مغفرت کردی گئی) یہ صیغہ مجہول ہے۔ **لمن لایشرك بالله من امته شيئا المقحمات.**

المقحمات حالت رفعی میں ہے۔ غفر کا نائب فاعل ہے اور اس کے حا کو زیر (کسرہ) ہے۔ ہلاک کرنے والے گناہ کبیرہ مراد ہیں اگر رب غفار کا کرم نہ ہو تو اس کے مرتکب کو وہ دوزخ میں ڈھکیل دیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کمال والی شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مغفرت کا وعدہ کرلیا گیا اگرچیکہ آیت مغفرت **ان الله لا يغفر ان يشرك به ويغفر مادون ذلك لمن يشاء** اس کے بعد نازل ہوئی ہے اور یہ آیت سورہ نساء کی ہے اور سورہ نساء مدنی ہے اور لمن یشاء کا حدیث میں ذکر نہ ہونا اس لئے ہے کہ یہ واقعہ حکم قدیم کا ہے اور حدیث شریف ہے۔ اور علامہ ابن حجر نے فرمایا یہاں مغفرت سے مراد یہ نہیں ہیکہ امت کو بالکل عذاب نہیں ہوگا کیونکہ نافرمان مسلمان کو عذاب کا ہونا نصوص شریعت سے اور اجماع امت سے ثابت ہے اس لئے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے۔

البتہ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہی مطلب ہے تو اس میں اس امت کی خصوصیت نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد امت کی اکثریت ہے کیونکہ یہ امت مرحومہ ہے (اس امت پر اللہ کا خاص کرم ہے) واللہ اعلم۔

523/7065 ﴿ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنے آپ کو حجر میں دیکھا اور قریش مجھ سے میرے راتوں رات جانے[1] یعنی معراج کے بارے میں پوچھنے لگے اور مجھ سے بیت المقدس کی ان چیزوں سے متعلق پوچھے جو میرے سامنے نہیں تھیں تو میں اس قدر فکر مند ہو گیا کہ ایسا کبھی فکر مند نہیں ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو میرے سامنے ظاہر کر دیا میں اس کو دیکھتا جاتا اور وہ کوئی بھی چیز مجھ سے نہیں پوچھتے مگر میں انکو بتا دیتا تھا اور میں اپنے آپ کو انبیاء کی جماعت میں دیکھا[2] تو حضرت موسیٰؑ

1﴾ **قولہ: مسرای** (میری معراج) اس میں میم کو زبر (فتحہ) ہے اور یہ مصدر میمی ہے یعنی میرا رات میں چلنا۔ **وقولہ اثبتھا** (میں اس کو یاد نہیں رکھا) یہ لفظ اثبات باب افعال سے ہے، یعنی میں اس سے زیادہ اہم کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس کو یاد نہیں رکھا۔

وقولہ: مثلہ (اس کے جیسا) مثلہ کی ضمیر کرب کی طرف لوٹتی یہ۔ کرب غم اور رنج وفکر کو کہتے ہیں **وقولہٗ: فرفعه اللہ الخ** یعنی اللہ تعالیٰ نے میرے اور اس کے درمیان کا حجاب ہٹا دیا تا کہ میں اس کو دیکھوں اور دیکھ کر لوگوں کو بتاتے جاؤں۔ (مرقات)۔

2﴾ **قولہ: وقد رأیتنی فی جماعته من الانبیاء** (انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں اپنے آپ کو دیکھا) سیاق وسباق سے اور اس کے بعد کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے یہ شب معراج کا واقعہ ہے اور بالاتفاق یہ واقعہ آسمانوں میں انبیاء علیہم السلام کو دیکھنے کا اور اس کے علاوہ بیت المقدس میں دیکھنے کا ہے، اور راجح قول یہی ہے کہ آسمانوں پر چڑھنے سے پہلے آپ نے ان کو نماز پڑھائی ہے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ یہ بات گزر چکی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے گوشت کو کھانا زمین پر حرام کر دیا ہے اور ان کے جسم بھی ان کی روحوں کی طرح لطیف ہیں ان میں کثافت نہیں ہے اس لئے ان کیلئے عالم ملک وملکوت میں کمال درجہ کے ساتھ ظاہر ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ (ماخوذ از مرقات)

کو دیکھا کھڑے ہوئے[1] نماز پڑھ رہے تھے، میں دیکھا[2] وہ میانہ قد کے تھے اور مضبوط چھریرے بدن کے تھے گویا کہ وہ قبیلہ شنوءۃ کے لوگوں میں سے ہیں اور میں حضرت عیسیٰ کو دیکھا کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور لوگوں میں ان کے زیادہ مشابہ عروہ بن مسعود ثقفی ہیں اور حضرت ابراہیم کو دیکھا کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے ان کے زیادہ مشابہ تمہارے صاحب یعنی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے اور یہ نماز کا وقت آ گیا[3] تو میں ان کی امامت کیا اور جب نماز سے فارغ ہوا تو مجھ سے ایک کہنے والے نے کہا اے محمد (ﷺ) یہ دوزخ کے داروغہ ہیں آپ ان کو سلام کیجئے میں ان کی طرف متوجہ ہوا تو وہ خود مجھے شروع میں

1 قولہ: قائم یصلی الخ (وہ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے) آخرت میں ان کے نماز پڑھنے میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ یہ حضرات زندہ ہیں اور کام کر سکتے ہیں البتہ وہاں کوئی کام ان پر واجب و فرض نہیں۔ (مرقات)

2 قولہ: فاذا رجل ضرب (تو دیکھا کہ وہ میانہ قد اور چھریرے جسم والے ہیں) خاص قسم کا میانہ قد والے، یا ہلکا پھلکا جسم والے (نہایہ)

وقولہ: جعد جیم کو زبر (فتحہ) اور ع کو جزم اور اس کے دو معنی ہیں ایک معنی تو مضبوط بنا ہوا جسم اور دوسرا یعنی چھلے دار اور خمیدہ بال والے اور یہاں پہلے معنی راجح ہیں کیونکہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت میں ہے انہ رجل الشعر وہ لمبے بال والے ہیں یہ باب صاحب التحریر نے کہی ہے، اور علامہ امام نووی نے کہا کہ یہاں دوسرے معنی بھی لے سکتے ہیں کیونکہ سعر رجل (خمدار بال) اس وقت بولتے ہیں جب بال زیادہ خمدار بہت گھنگھریالے نہ ہوں۔ (مرقات)

3 فحانت الصلوۃ (یعنی نماز کا وقت آ گیا) یعنی نماز کا وقت آ گیا اور ہو سکتا اس سے صلوۃ التحیۃ مراد ہو اور معراج کی خصوصی نماز بھی ہو سکتی ہے اور اگر سوال کیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کی

سلام کئے ۔ (مسلم)

524/7066 ﴿ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جب قریش نے مجھے جھوٹ سمجھا تو میں حجر میں کھڑا ہوا تو اللہ نے میرے لئے بیت المقدس کو ظاہر کردیا(1) میں اس کو دیکھتا اور ان کو اس کی نشانیاں بتاتا جاتا تھا(2)۔ (متفق علیہ)

امامت کررہے تھے اور آسمانوں پر پیغمبروں کو ان کے مقامات میں دیکھے تو موسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے کیسے دیکھے اس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء علیہم السلام کو ان کی قبور میں نماز پڑھتے دیکھا اور جب انبیاء علیہم السلام کو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آسمانوں کی طرف معراج ہے تو سب آپ کا استقبال کئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت المقدس میں جمع ہوگئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بیت المقدس میں نماز پڑھایا پھر وہ سب آسمان کی طرف چڑھ گئے اور بطور مشایعت اور اتباع کے آداب کے کو ملحوظ رکھتے ہوئے آسمان کی طرف آگے چلے گئے ، اور ہر ایک اللہ تعالیٰ کے عطاء کردہ اپنے اپنے مقامات پر ٹھہر گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کے پاس سے گزرے یہ سب باتیں عقل سے ماوراء ہیں اور معجزات ہیں ۔ (ماخوذ از مرقات)

1﴿ **قولہ: فجلی اللہ لی بیت المقدس** (اللہ تعالیٰ نے میرے لئے بیت المقدس کو ظاہر فرمادیا) لفظ جلی لام کو تشدید کے ساتھ اور بغیر تشدید کے بھی ہے ۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ درمیان سے حجابات کو ہٹادیا گیا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھ لیا اور اس کا بھی احتمال ہے کہ اس کو آپ کے پاس لایا گیا پھر اس کو اس کی جگہ واپس بھیج دیا گیا ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث شریف میں ہے بیت المقدس کو لاکر حضرت عقیل کے گھر کے پاس اس کو رکھ دیا گیا اور میں اس کو دیکھتا گیا ۔ اور یہ چیز حصول مقصد کے لئے زیادہ مفید ہے اور اس میں کوئی محال لازم نہیں آتا ، جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے بلقیس کا تخت کو حاضر کردیا گیا تو سرور کائنات حبیب الرحمٰن صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بیت المقدس کو تو زمین سے اکھاڑ کر اور اٹھا کر حاضر کیا جانا تو بدرجۂ اولیٰ چاہئے ۔ (مرقات)

2﴿ **قولہ عن آیاتہ** یعنی بیت المقدس کی علامتوں کو بیان کرنا شروع کیا ۔ (لمعات)

Index of /images/books

- Parent Directory
- Noorul Masabih v.1/
- Noorul Masabih v.10/
- Noorul Masabih v.11/
- Noorul Masabih v.12/
- Noorul Masabih v.13/
- Noorul Masabih v.14/
- Noorul Masabih v.15/
- Noorul Masabih v.16/
- Noorul Masabih v.17/
- Noorul Masabih v.18/
- Noorul Masabih v.19/
- Noorul Masabih v.2/
- Noorul Masabih v.20/
- Noorul Masabih v.3/
- Noorul Masabih v.4/
- Noorul Masabih v.5/
- Noorul Masabih v.6/
- Noorul Masabih v.7/
- Noorul Masabih v.8/
- Noorul Masabih v.9/
- Zujajah v1/
- Zujajah v2/
- Zujajah v3/
- Zujajah v4/
- Zujajah v5/

Index of /images/books/Noorul Masabih

Parent Directory
43_1.jpg
43_10.jpg
43_11.jpg
43_12.jpg
43_13.jpg
43_14.jpg
43_15.jpg
43_16.jpg
43_17.jpg
43_18.jpg
43_19.jpg
43_2.jpg
43_20.jpg
43_21.jpg
43_22.jpg
43_23.jpg
43_24.jpg
43_25.jpg
43_26.jpg
43_27.jpg
43_28.jpg
43_29.jpg
43_3.jpg
43_30.jpg
43_31.jpg
43_32.jpg
43_33.jpg
43_34.jpg
43_35.jpg
43_36.jpg
43_37.jpg
43_38.jpg
43_39.jpg
43_4.jpg
43_40.jpg
43_41.jpg
43_42.jpg
43_43.jpg
43_44.jpg
43_45.jpg
43_46.jpg
43_47.jpg
43_48.jpg
43_49.jpg
43_5.jpg
43_50.jpg
43_51.jpg

43_52.jpg
43_53.jpg
43_54.jpg
43_55.jpg
43_56.jpg
43_57.jpg
43_58.jpg
43_59.jpg
43_6.jpg
43_60.jpg
43_61.jpg
43_62.jpg
43_63.jpg
43_64.jpg
43_65.jpg
43_66.jpg
43_67.jpg
43_68.jpg
43_69.jpg
43_7.jpg
43_70.jpg
43_71.jpg
43_72.jpg
43_73.jpg
43_74.jpg
43_75.jpg
43_76.jpg
43_77.jpg
43_8.jpg
43_9.jpg

ı v.19